ڈاکٹر اسرار احمد

سورۃ آل عمران (آیت 153-154)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۱۵۳ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَاۗىِٕفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَاۗىِٕفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۭ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۱۵۴﴾

''(وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے) جب تم لوگ دُور بھاگے جاتے تھے اور کسی کو پیچھے پھر کر نہیں دیکھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ تم کو تمہارے پیچھے کھڑے بلا رہے تھے تو اللہ نے تم کو غم پر غم پہنچایا تاکہ جو چیز تمہارے ہاتھ سے جاتی رہی یا جو مصیبت تم پر واقع ہوئی ہے اس سے تم اندوہناک نہ ہو اور اللہ تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے۔ پھر اللہ نے تم کو غم ورنج کے بعد تم پر تسلی نازل فرمائی (یعنی) نیند کہ تم میں سے ایک جماعت پر طاری ہوگئی اور کچھ لوگ جن کو جان کے لالے پڑ رہے تھے اللہ کے بارے میں ناحق (ایام) کفر کے سے گمان کرتے تھے اور کہتے تھے بھلا ہمارے اختیار کی کچھ بات ہے؟ تم کہہ دو کہ بے شک سب باتیں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں۔ یہ لوگ (بہت سی باتیں) دلوں میں مخفی رکھتے تھے جو تم پر ظاہر نہیں کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ ہمارے بس کی بات ہوتی تو ہم یہاں قتل ہی نہ کئے جاتے۔ کہہ دو کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن کی تقدیر میں مارا جانا لکھا تھا وہ اپنی اپنی قتل گاہوں کی طرف ضرور نکل آتے۔ اس سے غرض یہ تھی کہ اللہ تمہارے سینوں کی باتوں کو آزمائے اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اُس کو خالص اور صاف کردے اور اللہ دلوں کی باتوں سے خوب واقف ہے۔''

اور وہ وقت یاد کیجئے جب تم جان بچانے کی خاطر کوہ اُحد پر چڑھے چلے جا رہے تھے اور پھر کسی کی طرف مڑ کر نہیں دیکھ رہے تھے اور پیچھے سے رسول اللہ ﷺ تمہیں پکار رہے تھے۔ جب بھگدڑ مچ جائے تو صورت حال ایسی ہی ہو جاتی ہے۔ اُس وقت رسول اللہ ﷺ کے گرد تو صحابہؓ نے اپنے جسموں کے ساتھ حلقہ بنا لیا تھا گویا وہ آپ ﷺ کے لئے ڈھال بن گئے تھے۔ اس طرح وسائل دنیوی کے اعتبار سے وہ رسول اللہ ﷺ کو بچانے میں کامیاب ہو گئے اور حقیقت میں تو بچانے والا اللہ ہی ہے۔

پھر اللہ تم پر غم کے بعد غم ڈالتا رہا تاکہ تمہیں تعلیم دی جائے کہ تم غمگین نہ ہوا کرو اس پر جو تمہارے ہاتھ سے جاتا رہے اور نہ اُس تکلیف پر غمزدہ ہوا کرو جو تم پر پڑے۔ گویا رنج اور تکلیف اٹھانے کے عادی ہو جاؤ۔ ع رنج سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج۔

اتفاقاً اگر کسی کو کوئی صدمہ پہنچے تو اُس کا اثر دیر تک رہے گا۔ لیکن رنج پر رنج اُسے رنج سے مانوس کر دیتا ہے۔ یہاں سب سے بڑے رنج نے انہیں اپنی اپنی تکلیفوں اور زخموں سے بے خبر کر دیا یعنی جب رسول اللہ ﷺ کے انتقال کی خبر اڑی تو مجاہدین کو اپنے تن بدن کا ہوش نہ رہا' وہ اپنے زخم اور درد کی تکلیف کو بھول گئے۔ گویا اس بڑے رنج نے اُن کے اپنے رنج میں تخفیف کر دی اور اللہ تعالیٰ تو باخبر ہے اُس سے جو تم عمل کر رہے تھے۔ پھر اس غم کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر اونگھ طاری کر دی جس سے وقتی طور پر ایک گروہ پر خواب کی سی کیفیت اور آسودگی غالب آ گئی' جیسے نیند کی حالت میں انسان ہر طرح کا غم بھول جاتا ہے اور نیند سکون اور اطمینان کا باعث بن جاتی ہے۔ تو گویا یہ صورت حال بھی اللہ کی رحمت کے طور پر طاری ہوئی۔ البتہ ایک گروہ ایسا تھا کہ جنہیں اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی اور وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ناحق جاہلانہ گمان کر رہے تھے۔ یہ وہ دو چار منافق تھے جو عبداللہ بن اُبی کے ساتھ واپس جانے والوں کے بعد یہاں رہ گئے تھے۔ ان لوگوں کو اپنی جانوں کے لالے پڑ رہے تھے۔ اس حال میں انہیں اونگھ کیسے آ سکتی تھی؟ اُن کے دل میں تو طرح طرح کے وسوسے آ رہے تھے کہ اللہ نے تو مدد کا وعدہ کیا تھا وہ مدد کہاں گئی۔ اور وہ کہہ رہے تھے کہ اب اختیار کے معاملے میں ہمارا بھی کوئی حصہ ہے یا نہیں؟ ہو سکتا ہے یہ وہ لوگ ہوں جنہوں نے اُس وقت بھی مشورہ دیا تھا کہ مدینہ کے اندر محصور ہو کر جنگ کی جائے۔ پھر جب فیصلہ شہر سے باہر جنگ لڑنے کا ہوا تو اُن کی طبیعت میں تکدر پیدا ہوا۔ جماعتی زندگی میں ایسا ہوتا ہے۔ ہر شخص چاہتا ہے کہ اُس کی بات کو اہمیت دی جائے' اس کی بات مانی جائے' صرف امیر ہی کی رائے کیوں مانی جائے؟ تو انہوں نے کہا ہمارا بھی کچھ اختیار ہے یا نہیں۔ اس پر کہا جا رہا ہے کہ امر اور اختیار تو کل کا کل اللہ کے لئے ہے۔ اے نبیؐ! یہ اپنے دل میں وہ بات چھپا رہے ہیں جو آپؐ پر ظاہر نہیں کر رہے۔ سنئے! یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر ہماری رائے مان لی جاتی تو ہم یہاں قتل نہ ہوتے۔ تو اے نبیؐ ان کو کہہ دیجئے اگر تم سب کے سب اپنے گھروں میں ہوتے تب بھی وہ لوگ کشاں کشاں میدان میں پہنچ جاتے جن کے حق میں اللہ کا فیصلہ ہو چکا تھا کہ وہ قتل ہوں گے۔ ان کو تو قتل نظر آ رہا ہے مگر یہ شہادت تو سرفرازی کی خلعت ہے۔ جس کے نصیب میں یہ خلعت ہوگی' وہ ضرور گھر سے تمنائے شہادت لئے ہوئے نکلے گا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ اصل میں چھان پھٹک کر رہا ہے' آزمائش کر رہا ہے تاکہ وہ بالکل پاک اور خالص کر دے اس چیز کو جو تمہارے دلوں میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تو سینوں کے اندر مخفی باتوں کو بھی جانتا ہے۔

فرمانِ نبویؐ

چودھری رحمت اللہ بٹر

غریبوں کی اکثریت جنت میں

عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قال: ((قُمْتُ عَلٰى بَابِ الْجَنَّةِ فَكَانَ عَامَّةُ مَنْ دَخَلَهَا الْمَسَاكِيْنُ وَاَصْحَابُ الْجَدِّ مَحْبُوْسُوْنَ غَيْرَ اَنَّ اَصْحَابَ النَّارِ قَدْ اُمِرَ بِهِمْ اِلَى النَّارِ وَقُمْتُ عَلٰى بَابِ النَّارِ فَاِذَا عَامَّةُ مَنْ دَخَلَهَا النِّسَاءُ)) (متفق علیہ)

نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں (معراج کی رات) جنت کے دروازہ پر کھڑا ہوا تو دیکھا کہ اس میں زیادہ تر غریب جا رہے ہیں اور دولت مندوں کو (حساب کے لئے) روک لیا گیا ہے۔ ان میں سے جن کے لئے آگ کی سزا تجویز ہوئی حکم دیا گیا کہ انہیں فوراً جہنم میں لے جاؤ۔ اور میں دوزخ کے دروازہ پر کھڑا ہوا تو میں نے دیکھا کہ اس میں عموماً عورتیں جا رہی ہیں۔''

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

قیام خلافت کا نقیب

ندائے خلافت

جلد	13 تا 19 جنوری 2005ء	شمارہ
14	یکم تا 7 ذوالحجہ 1425ھ	2

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید

مجلس ادارت

سید قاسم محمود۔ ڈاکٹر عبدالخالق
مرزا ایوب بیگ۔ سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
ادارتی معاون: فرید اللہ مروت
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67۔ گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ لاہور
فون: 6366638-6316638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36- کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور
فون: 03-5869501

قیمت فی شمارہ: 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون

اندرونِ ملک.....250 روپے

بیرون پاکستان
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (1500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (2200 روپے)
چیک' منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں

☆.☆.☆

''ادارہ'' کا مضمون نگار کی رائے سے
متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ

کیا مسئلہ کشمیر حل کئے بغیر بھارت سے اچھے تعلقات قائم کرنے چاہئیں؟

گزشتہ ہفتے نوائے وقت فورم میں ''کیا پاکستان کو مسئلہ کشمیر حل کئے بغیر بھارت سے تعلقات قائم کرنا چاہئے؟'' کے موضوع پر گفتگو کرنے کیلئے تمام سیاسی و دینی جماعتوں کو مدعو کیا گیا۔ نوائے وقت اخبار کا معاملہ یہ ہے کہ اگرچہ یہ اردو میں سب سے زیادہ شائع ہونے والا اخبار تو شاید نہ ہو لیکن علامہ اقبال' قائداعظم' پاکستان بھارت تعلقات خصوصاً مسئلہ کشمیر کے حوالہ سے یہ اخبار اپنی پالیسی پر بڑی شدت سے اور بڑے تسلسل سے قائم ہے پھر یہ کہ نوائے وقت نظریہ پاکستان کا علمبردار ہونے کا دعویٰ بھی کرتا ہے اور اہم ترین بات یہ ہے کہ اپنی اس پالیسی پر سختی سے کاربند رہنے کے لئے اس نے فوجی طالع آزماؤں سے اور عوامی حمایت کے دعویدار سیاستدان حکمرانوں سے ٹکرانے سے کبھی گریز نہیں کیا اور اس حوالہ سے مختلف ادوار میں وقت کی حکومت کے ہاتھوں کافی مالی نقصان بھی اٹھایا اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ نوائے وقت اکثر و بیشتر اپوزیشن کا ترجمان رہا ہے۔ لہٰذا کوئی دوسرا اردو اخبار چاہے نوائے وقت سے زیادہ شائع ہوتا ہو عوام اور خواص دونوں کے نزدیک اس کا وہ مقام نہیں جو نوائے وقت کا ہے۔ اسی لئے نظامی برادران کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اگرچہ مذکورہ بالا موضوع بھی بڑا اہم تھا لیکن ان وجوہات کی بنا پر بھی اس فورم میں قریباً تمام سیاسی و دینی جماعتوں کے نمائندے موجود تھے۔ راقم بھی امیر تنظیم اسلامی کے حکم پر جماعت کی نمائندگی کے لئے وہاں حاضر تھا۔

راقم سے پہلے جن جماعتوں کے نمائندوں نے اظہار خیال کیا وہ توقع کے مطابق اپنی اپنی جماعتوں کے موقف کی وضاحت تھی۔ مسلم لیگ (ق) کا اصرار تھا کہ مشرف نے جامع مذاکرات کا سلسلہ شروع کر کے بڑی کامیابی حاصل کی ہے اور مسائل کے حل کیلئے خصوصاً کشمیر کا مسئلہ حل کرنے کے لئے دونوں ممالک کے عوام کا میل جول بہت فائدہ مند ثابت ہو گا۔ یہ دعویٰ بھی کیا گیا کہ پاکستان نے اپنے دیرینہ تاریخی موقف سے پسپائی اختیار نہیں کی۔ اس مسئلہ پر لچک دو طرفہ ہوگی پاکستان یک طرفہ لچک نہیں دکھائے گا۔ اپوزیشن جماعتوں خصوصاً مذہبی جماعتوں کا یہ موقف سامنے آ رہا تھا کہ یہ مذاکرات محض ڈنگ ٹپاؤ ہیں۔ بھارت پاکستان کو بے مقصد مذاکرات میں الجھا کر ٹال مٹول کا رویہ اختیار کئے ہوئے ہے اور کشمیر چونکہ پاکستان کی شہ رگ ہے لہٰذا مسئلہ کشمیر حل ہونے تک بھارت سے تعلقات معمول پر نہیں آنے چاہئیں۔

راقم نے تنظیم اسلامی کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے عرض کیا کہ پاکستان جمہوری پروسس سے قائم ہوا تھا۔ 1946ء کے انتخابات میں مسلم نشستوں پر مسلم لیگ کے کلین سویپ نے قیام پاکستان کی راہ میں تمام رکاوٹیں خس و خاشاک کی طرح بہا دی تھیں۔ مسلم لیگ کا نعرہ تھا مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ یعنی یہ ووٹ مذہب کی بنیاد پر ملا۔ اور جس جمہور نے مسلم لیگ کو ووٹ دیا اس کا مذہب اسلام تھا۔ گویا پاکستان کی بنیاد اسلامی اور جمہوری ہے۔

راقم نے بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے اس معرکۃ الآراء جملے کا حوالہ بھی دیا کہ جمہوریت پاکستان کی ماں ہے اور اسلام پاکستان کا باپ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں حقیقی جمہوریت کبھی نہ پنپ سکی اور اسلام کو بھی بحیثیت نظام ہم نے اپنے سے دور ہی رکھا لہٰذا ماں اور باپ دونوں سے علیحدگی اختیار کر لی گویا ہم خود ساختہ یتیم بن گئے اور ستاون سال سے در در کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ اتنے طویل عرصے میں ہم مالی طور پر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکے اور نہ سیاسی طور پر بالغ ہوئے۔ مقروض اور منگتے ہونے کی وجہ سے ہماری قوموں کی برادری میں کوئی عزت نہیں ہے۔ اور اب تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ دنیا ہمیں امریکہ کی غلام ریاست تصور کرتی ہے۔ اندرون ملک انتشار ہے' بدامنی ہے ایسے میں کشمیریوں کو کیا مصیبت پڑی ہے کہ وہ ہم سے الحاق کرنے کے لئے بے چین ہوں۔ ڈوبتی کشتی میں کون سوار ہونا چاہتا ہے۔ لے دے کر مقبوضہ کشمیر میں ایک بوڑھا علی گیلانی پاکستان سے الحاق کی نحیف اور کمزور آواز نکالتا رہتا ہے۔ باقی اکثر جماعتیں آزاد کشمیر کے حق میں ہیں اور عالمی چیمپئن امریکہ بھی یا تو بھارتی موقف کی حمایت کرتا ہے یا پھر آزاد کشمیر ریاست کا خواہش مند ہے تاکہ ایک کمزور ملک میں وہ اپنے پاؤں جما سکے اور علاقے میں اپنے مفادات کی نگہداشت کے لئے دوسرے اسرائیل کو وجود میں لائے۔

راقم نے عرض کیا کہ پاکستان کو کشمیریوں کی نگاہ میں قابل رشک بنانے کیلئے پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنانا ہوگا جب پاکستان ایک اسلامی فلاحی ریاست کی شکل اختیار کرے گا اور نظام خلافت کے ثمرات اپنا اثر دکھانا شروع ہو جائیں گے تو امن و سکون کے اس دریا سے فیض یاب ہونے کے لئے کشمیری ماہی بے آب کی طرح تڑپیں گے ایسی صورت میں ہمیں بھارت سے اپنے بہتر ین تعلقات قائم کرنے ہوں گے اور آزادانہ میل جول کو ہر ممکن حد تک بڑھانا ہوگا کیونکہ مسلمانان پاکستان ایک جاندار نظریہ رکھتے ہوں گے اور اس کو عملی طور پر نافذ بھی کیا ہوگا تو وہ ہندو جو نظریہ کے حوالہ سے تہی دامن ہے اس کا مقابلہ نہیں کر سکے گا بلکہ اسی میں عافیت جانے گا کہ سلامتی کے اس پیغام کو وہ بھی اپنا لے۔ لیکن اگر خدانخواستہ ہم نے وطن عزیز میں اسلام کو بحیثیت نظام نہ اپنایا اور موجودہ حکومت کی نام نہاد روشن خیالی کی پالیسی کی تقلید میں ہم ایک سیکولر ریاست بن گئے تو پھر بھارت تو سیکولرازم کا ایک سمندر ہے اور پاکستان لامحالہ ایک دریا کی حیثیت سے اس سمندر میں جا گرے گا۔

(باقی صفحہ 9 پر)

بین الاقوامی روداد

سال 2004ء عالمی سطح پر خودکش بم دھماکوں' مسلم رہنماؤں کی ٹارگٹ ہلاکت' خوف و دہشت' غیر یقینی صورتِ حال اور جاتے جاتے قیامت خیز زیر سمندر زلزلے کا سال تھا۔ اس سال کے دوران میں ایٹمی پھیلاؤ' عراق' افغانستان' کشمیر' سوڈان' ایران' القاعدہ اور طالبان سمیت امریکا' بھارت اور افغانستان کے انتخابات جیسے امور عالمی و علاقائی منظر پر چھائے رہے۔ سال 2004ء کے آغاز میں سارک ممالک کے سربراہوں کی اسلام آباد میں کانفرنس ہوئی جس میں مسئلہ کشمیر کو مذاکرات کے ذریعے حل کرنے پر اتفاق کیا گیا۔ اس کے نتیجہ میں پاکستان اور بھارت کے مابین بحالی اعتماد کے لئے مذاکرات کا سلسلہ جاری ہے۔ اس سال بھی عراق میں مزاحمت کاروں نے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے خلاف مسلح جدوجہد جاری رکھی جس سے بعض ممالک عراق سے اپنی افواج نکالنے پر مجبور ہوگئے۔ اس برس ابوغریب جیل میں امریکی فوجیوں کی طرف سے عراقی قیدیوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک کے واقعات کا انکشاف ہوا۔ مارچ میں سپین کے دارالحکومت میڈرڈ میں کئی بم دھماکے ہوئے جس میں ہزار افراد لقمہ اجل بن گئے۔ ساتھ ہی ان بم دھماکوں نے تین دن کے بعد ملک میں ہونے والے انتخابات کے نتائج تبدیل کر دیئے اور امریکہ مخالف حکومت برسراقتدار آ گئی جس نے عراق سے اپنی فوج واپس بلا لی۔ اس کے ساتھ ہی فلپائن' ہنڈوراس اور دیگر ممالک نے عراق سے اپنی فوج کو واپس بلا لیا۔ امریکی خفیہ ادارے سی آئی اے کے سربراہ جارج ٹینٹ سمیت 7 افسران کی جنگ کی وجہات کو غلط طور پر پیش کرنے کے الزام کی زد میں آ کر مستعفی ہو گئے۔ اس سال ہی مئی میں بھارت کی لوک سبھا کے انتخابات ہوئے۔ میڈیا پر تجزیوں کے برعکس واجپائی حکومت کے بجائے کانگریس کی حلیف جماعتوں کے اتحاد یو پی اے نے انتخابی میدان مار لیا اور بی جے پی کو غیر یقینی طور پر شکست دے دی۔ اسی طرح امریکی انتخابات سے قبل تمام قسم کی قیاس آرائیاں سینٹر جان کیری کے حق میں تھیں مگر امریکی عوام نے فیصلہ صدر بش کے حق میں دے دیا اور اس بات کی تصدیق کر دی کہ صدر بش نے عالمی و ملکی سطح پر جو کچھ کیا وہ سب کچھ درست تھا۔ اس سال افغانستان کی تاریخ میں پہلی بار صدارتی انتخابات ہوئے۔ حسب توقع امریکی نواز صدر حامد کرزئی نے واضح اکثریت سے الیکشن جیت لیا۔ سال 2004ء کے دوران امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے مسلمانوں بالخصوص عراق' افغانستان' شام' ایران' سوڈان کے گرد گھیرا تنگ کئے رکھا۔ اس کے ساتھ شمالی کوریا کے ساتھ ٹکراؤ کا ماحول جاری رہا۔ ایران کے ایٹمی پروگرام کے معاملے کو بھی عالمی میڈیا نے بہت اچھالا۔ سعودی عرب' میڈرڈ بم دھماکوں میں طالبان اور القاعدہ کا نام سامنے آتا رہا۔ اس سال سعودی عرب بالخصوص بم دھماکوں کی زد میں رہا۔ سال 2004ء فلسطینیوں کے لئے انتہائی مشکلات لے کر آیا۔ مزاحمتی تنظیم حماس کے بانی سربراہ شیخ احمد یاسین اور ان کے بعد ان کے جانشین عبدالعزیز رنتیسی کو میزائل حملے میں اسرائیلی فوج نے شہید کر دیا اور اس کے بعد حماس اور دیگر فلسطینی مزاحمتی تنظیموں کے مقامی رہنماؤں کو اسرائیلی فوج نے شہید کر دیا پھر نومبر میں فلسطینی صدر یاسر عرفات کو مبینہ طور پر زہر دے کر شہید کر دیا گیا۔ مقبوضہ فلسطینی علاقوں میں اسرائیل کی باڑ کی تعمیر کو عالمی عدالت انصاف نے غیر قانونی قرار دے دی۔ یکم ستمبر کو روس کے دو سکولوں کے بچوں کو ان کے والدین اور اساتذہ سمیت سینکڑوں افراد کو نامعلوم مسلح افراد نے یرغمال بنا لیا۔ ان کے خلاف کارروائی کے دوران تین سو سے زائد بچے اور دیگر خواتین و مرد ہلاک ہوئے۔ اس سے قبل مئی میں روس نواز چیچن صدر سمیت تین درجن افراد کو اس وقت بم دھماکے میں ہلاک کر دیا گیا۔ جب وہ ایک سٹیڈیم میں تقریب سے خطاب کرنے والے تھے۔ اس سال متحدہ عرب امارات کے بانی صدر اور پاکستان کے انتہائی مخلص دوست شیخ زید بن سلطان النہیان انتقال کر گئے۔ فرانس کے سکولوں میں مسلمان بچیوں کو سکارف پہننے پر پابندی لگائی گئی۔ 26 دسمبر کو انڈونیشیا میں بحر ہند میں تاریخ کا بدترین زلزلہ ہوا جس کے نتیجے میں بحر ہند میں خوفناک طوفان آیا اس کی لپیٹ میں بھارت' سری لنکا' مالدیپ' انڈونیشیا' تھائی لینڈ سمیت دیگر ممالک آئے جس سے سوا لاکھ افراد لقمہ اجل بن گئے۔ اور لاکھوں افراد بے گھر ہو گئے۔ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کوفی عنان اور امریکہ کے درمیان اختلافات پیدا ہوئے اور امریکہ نے ان سے استعفیٰ کا مطالبہ کر دیا۔

.....

قومی رُوداد

پاکستان کی سیاسی اور پارلیمانی تاریخ میں 2004ء کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ اس سال صدر مشرف نے قومی اور صوبائی اسمبلیوں سے اعتماد کا ووٹ حاصل کیا۔ پارلیمنٹ نے سادہ اکثریت سے وردی برقرار رکھنے کا بل منظور کیا۔ تین وزراء اعظم تبدیل ہوئے۔ آصف علی زرداری رہا' سابق سپیکر قومی اسمبلی سید یوسف رضا گیلانی گرفتار ہوئے جبکہ سابق وزیراعظم نواز شریف کے والد میاں شریف جدہ میں جلاوطنی کے دوران انتقال کر گئے۔ مسلم لیگ کے سربراہ میاں شہباز شریف پاکستان آئے جنہیں لاہور ایئرپورٹ سے واپس جدہ بھیج دیا گیا۔ دانا میں فوجی آپریشن جاری رہا۔ ممتاز عالم دین مفتی نظام الدین شامزئی کو شہید جبکہ نامور دانشور ادیب اشفاق احمد کا انتقال ہوا۔ حکومت کو پارلیمنٹ میں کورم کا مسئلہ درپیش رہا۔ حسب سابق 5 فروری کو پوری قوم نے یوم یکجہتی کشمیر بھرپور انداز میں منایا۔ 5 فروری کو آزاد جموں کشمیر ٹی وی کا افتتاح ہوا جبکہ ملک بھر میں کشمیریوں سے اظہار یکجہتی کے لئے ریلیاں' زنجیریں اور دیگر تقریبات منعقد ہوئیں۔ متحدہ مسلم لیگ قائم ہوئی سابق صدر سردار فاروق احمد خان لغاری بھی حکمران جماعت میں شامل ہو گئے۔ حکمران جماعت کے سربراہ چودھری شجاعت حسین کو قومی اسمبلی میں 2 ماہ کے لئے قائد ایوان منتخب کیا۔ سال 2004ء کے وسط میں قومی اسمبلی میں مولانا فضل الرحمٰن کو بحیثیت اپوزیشن لیڈر نامزد کیا گیا جبکہ سینٹ میں تاحال اپوزیشن کا تقرر نہیں ہو سکا۔ جولائی میں سندھ میں اہم تبدیلی لائی گئی جس کے تحت وزیراعلیٰ علی محمد مہر کی جگہ ڈاکٹر ارباب غلام رحیم خان کو وزیراعلیٰ سندھ مقرر کیا گیا۔ اسی سال پاکستان میں جوہری برآمدات کا سکینڈل سامنے آیا۔ پاکستان حکومت نے جوہری برآمدات کو روکنے کے لئے سخت سزاؤں پر قانون بھی منظور کرایا جو اب لاگو ہو چکا ہے۔ سپیکر قومی اسمبلی چودھری امیر حسین کے خلاف حزب مخالف نے دوبار عدم اعتماد کی تحریکیں پیش کیں لیکن یہ ناکام ہوئیں اس سال فیڈرل پبلک سروس کمیشن کے قانون میں ترمیم کا بل بھی پاس ہوا جو ملک کی خفیہ ایجنسی آئی ایس آئی و گریڈ سولہ اور اس سے اوپر کے تمام ملازمین کو براہ راست بھرتی کرنے کا اختیار ایجنسی کے سربراہ کو دینے کے بارے میں ہے۔ پاکستان نے اپنی کشمیر پالیسی تبدیل اور انتہائی لچکدار بنا لی ہے۔ صدر جنرل پرویز مشرف نے تاریخ میں پہلی بار کھل کر اور بغیر کسی اندرونی دباؤ کے آئے روز کشمیر کے ممکنہ حل پیش کرتے رہے۔ اس سال مقبوضہ کشمیر کے عوام پر بھارتی مظالم کا سلسلہ جاری رہا۔ بھارت کے اعداد و شمار کے مطابق بھارتی فوج اور پولیس نے 2000 کشمیریوں کو شہید اور ہزاروں کو زخمی کر دیا۔ بھارتی فوج کی طرف سے دوران حراست کشمیریوں کو شہید کرنے کا سلسلہ جاری رہا۔ مجاہدین نے جہاد کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ بھارتی فوج پر حملے ہوتے رہے جس کے نتیجے میں 278 بھارتی فوجی ہلاک ہو گئے۔ مجاہدین کے بھارت میں کانگریس کی حکومت کو خوش آمدید کہنے اور اٹل بہاری واجپائی کو الوداع کہنے کے لئے ایک ہی حملے میں 30 بھارتی فوجیوں کو ہلاک کر ڈالا۔ ادھر اس سال بھی بھارتی فوج کے اہلکار ایک دوسرے پر فائرنگ کر کے ہلاک اور خودکشیاں کرتے رہے۔ سال 2004ء کے دوران کنٹرول لائن پر جنگ بندی کا معاہدہ جاری رہا۔ تاہم اس دوران بھارت نے 740 کلومیٹر باڑ بچھائی' مگر حیرت انگیز طور پر پاکستان بھی خاموش رہا جس کا برملا اظہار بھارت کے وزیر خارجہ نٹور سنگھ نے اسلام آباد میں کیا کہ پاکستان نے اس سلسلہ میں ہم سے کوئی بات نہیں کی۔

☆ جہاد کشمیر: بانیٔ تنظیم اسلامی کی وضاحت

☆ سونامی زلزلہ: قیامت کی نشانی

مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے 31 دسمبر 2004ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

میں ایک ماہ سے کچھ زیادہ عرصہ بھارت میں گزار کے آیا ہوں۔ میرا یہ دورہ اس اعتبار سے بہت ہی وسیع تھا کہ وہاں کے چھ شہروں دہلی، علی گڑھ، ممبئی، پونا، بنگلور اور حیدرآباد میں جانا ہوا۔ ان تمام مقامات پر درسِ قرآن اور قرآنی موضوعات پر خطابات ہوئے، جن میں لوگوں نے بڑے پیمانے پر شرکت کی۔ تین تین گھنٹے کی بعض نشستوں میں حاضرین کی تعداد پندرہ ہزار تک بھی رہی۔ اس دوران پریس کے ساتھ ایک غیر رسمی ملاقات میں، جسے کسی طرح بھی باقاعدہ پریس کانفرنس نہیں کہا جا سکتا، جہاد کشمیر کے بارے میں مجھ سے ایک سوال کیا گیا۔ میں نے اپنا وہی موقف بیان کیا جو میں یہاں بھی ہمیشہ بیان کرتا رہا ہوں۔ اس بیان کی جو رپورٹنگ وہاں ہوئی، پاکستان کے بعض حلقوں میں اس کا ایک ردعمل ہوا ہے۔ اس سلسلے میں مجھے وضاحت پیش کرنی ہے۔

پہلی بات تو یہ کہ مجھے وہاں قطعاً پتہ نہیں چلا کہ اس طرح کی کوئی رپورٹنگ ہوئی ہے۔ واپسی پر جب مجھے حیدرآباد دکن سے ایک فائل ملی، جس میں میرے قیامِ بھارت کے پروگراموں کے حوالے سے اخبارات میں دیئے گئے اشتہارات اور رپورٹنگ کے تراشے موجود تھے تو ایک انگریزی اخبار میں مجھے یہ خبر پڑھنے کو ملی۔ وہاں جو سرخی جمائی گئی، وہ بھی بہت ہی فتنہ انگیز تھی: ''ڈاکٹر صاحب نے جہاد کشمیر کو غیر اسلامی قرار دے دیا''۔ یہ بات یقیناً غلط ہے اور اس کے اندر صحافیانہ شرارت کا کوئی دخل ہے۔ درحقیقت وہاں بھی میرا موقف وہی تھا جو یہاں رہا ہے اور اس میں سرِ مو فرق نہیں ہے۔ میرے نزدیک جہاد فی سبیل اللہ کی شرائط بہت کڑی ہیں۔ ان پر نہ تو جہاد کشمیر پورا اترتا ہے اور نہ ہی وہ جہاد جو افغانستان میں روسیوں کے خلاف ہو رہا تھا۔ جہاد فی سبیل اللہ (بمعنی قتال فی سبیل اللہ) کی شرائط یا تین ممکنہ صورتیں یہ ہیں:

i) اگر نظام خلافت قائم ہو تو اس کی توسیع کے لئے امیر المومنین کی زیر ہدایت جہاد کیا جائے، جیسے خلافت راشدہ میں ہوا۔ ایرانیوں پر کوئی دعوت کا حق ادا نہیں کیا گیا تھا، کوئی اتمام حجت نہیں کیا گیا تھا لیکن پھر بھی حملہ کیا گیا۔

ii) اس نظام خلافت یا ایک سچی اسلامی ریاست پر اگر دشمن حملہ کر دے تو اس کی سرحدوں کی حفاظت اور دشمن کا مقابلہ، یہ بھی جہاد فی سبیل اللہ میں شامل ہے۔

iii) جہاد فی سبیل اللہ کی تیسری شکل یہ ہے کہ کسی ایسے ملک میں دین کو قائم کرنے کے لئے ایک اسلامی تحریک اٹھے جہاں سیکولر نظام حکومت ہو اور وہاں کا معاشی نظام سود، جوئے، منشیات کی تجارت اور فحش چیزوں کی اشاعت پر استوار ہو۔ اس کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ ایک امیر کے تحت کوئی تنظیم ہو۔ پھر دعوتِ حق کا حق ادا کیا جائے اور اس ملک کے عوام پر اتمام حجت کر دیا جائے کہ یہ حق ہے اور یہ باطل۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد اگر وہ سمجھیں کہ اب ہمارے پاس اتنی طاقت ہے کہ وقت کے حکمران کے خلاف تلوار اٹھائی جا سکتی ہے تو پھر جہاد کیا جا سکتا ہے۔ یہ فتویٰ امام ابوحنیفہؒ کا ہے اور میں اس کا قائل ہوں۔ لیکن اگر اس کی شرطیں پوری نہیں ہوتیں تو کسی بھی تحریک کو کوئی مسلح بغاوت کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

البتہ جہاد فی سبیل اللہ سے کمتر درجے میں بھی جائز جنگ ہو سکتی ہے، جس میں جان دینے والا شہید ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر پائے گا۔ اس جنگ کی دو صورتیں ہیں:

i) کسی مسلمان ملک پر کوئی غیر مسلم ملک حملہ آور ہو جائے تو اپنے دفاع کے لئے تمام مسلمان اٹھ کھڑے ہوں چاہے دعوت و تربیت، اتمام حجت اور قیام تنظیم کی شرائط پوری نہ بھی ہوئی ہوں۔ دفاع مطلق کے لئے جو لوگ جنگ کریں گے، وہ جائز ہے۔

ii) کسی قوم، ملک یا علاقے میں مسلمان اکثریت میں ہوں، جیسے کہ کشمیر میں ہیں، اور وہ چاہتے ہوں کہ ایک اسلامی حکومت قائم کرنے کیلئے اس بڑے ملک سے علیحدہ ہو جائیں تو یہ حق خود اختیاری ہے جو پوری دنیا میں تسلیم کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی ملک یہ حق دینے کو تیار نہیں ہوتا تو اس کے خلاف ہتھیار اٹھانا بھی جائز ہے اور یہ جہاد کہلائے گا۔

تاہم یہ دونوں صورتیں جہاد فی سبیل اللہ نہیں ہیں۔ اس اعتبار سے میں نے آج تک کبھی نہ تو کشمیر کے جہاد کو جہاد فی سبیل اللہ مانا اور نہ ہی افغانستان کے اُس جہاد کو جو روس کے خلاف ہو رہا تھا۔ لیکن بعد میں جب طالبان کی قوت ابھری، پورے ملک میں ان کی پذیرائی ہوئی اور انہوں نے افغانستان کے نوے فیصد علاقے پر ایک حکومت قائم کر کے اسلامی شریعت کے احکام نافذ کرنے شروع کر دیئے جس کے نتیجے میں وہاں امن و امان ہو گیا، تو پھر میرا موقف یہ تھا کہ یہ ایک اسلامی حکومت ہے اور اس کے خلاف لڑنے والے باغی ہیں، جن سے طالبان کی جنگ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ لہٰذا جہاد کے بارے میں میرا موقف یہ ہے۔ جہاد اور قتال میں فرق بالکل واضح ہے۔ جہاد تو بہت وسیع جدوجہد کا نام ہے۔ دعوت کا درجہ بھی جہاد کا ہے۔ مکہ میں بارہ برس تک جو جہاد ہوا ہے، وہ تلوار سے نہیں بلکہ قرآن کے ذریعے سے ہوا۔ اس حوالے سے سورۃ الفرقان کی 52 ویں آیت میں فرمایا گیا: ''آپ منکروں کا کہنا مت مانیے اور اس (قرآن) کے ساتھ بڑے زور سے ان کا مقابلہ کیجئے''۔ آج کل ہم جہاد کو قتال کے معنی میں استعمال کرتے ہیں اور اسی وجہ سے بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

اہل کشمیر کے معاملے میں مَیں نے ایک بات یہ بھی کہی تھی کہ انہیں اپنی آزادی اور خود اختیاری کے لئے جنگ کرنے کا حق حاصل ہے۔ یہ جائز جنگ ہے اور جہاد فی سبیل الحریت ہے، یعنی آزادی کے لئے جہاد۔ تاہم اس ضمن میں میری ذاتی رائے یہ ہے کہ اگر وہ یہ کام مسلح انداز میں کرنے کی بجائے کوئی عوامی تحریک چلاتے تو یہ ان کے لئے بہتر اور نتیجہ خیز ہوتا۔ یوں اتنا خون خرابہ نہ ہوتا جواب تک ہوا ہے۔ اس مسلح تحریک میں یہ ہوتا تھا کہ اگر بھارتی فوج کا کوئی ٹرک جا رہا ہے تو اس کے اوپر ایک ہینڈ گرینیڈ پھینک دیا، جس کے نتیجے میں پانچ چھ آدمی مر جاتے جبکہ آٹھ دس زخمی ہو جاتے۔ اب چونکہ فوج کو معلوم ہوتا تھا کہ یہ بم پھینکنے والا کہیں آس پاس ہی چھپا ہوا ہے، تو وہ آبادی کے اندر جاتے اور گھروں کی تلاشیاں لیتے تھے۔ وہاں انہیں حسین جوان لڑکیاں نظر آتیں تو یہ بھیڑیئے انہیں اپنی ہوس کا نشانہ بناتے۔ اس صورت حال میں اصل سوال یہ ہے کہ بھارتی فوج کو گھروں کے اندر پہنچانے کا باعث کون بنا؟ اس سے وہاں پر زیادہ تباہی آئی۔ چنانچہ یہ حکمت عملی غلط ہے۔ اس کے بجائے اگر عوامی تحریک ہوتی تو مثبت نتائج نکلتے۔ اس حوالے سے میں ایک مثال دیا کرتا ہوں کہ اندرا گاندھی نے اپنے دور حکومت میں دو ریاستوں آندھرا پردیش اور کشمیر کے وزرائے اعلیٰ کو برطرف کر دیا تھا۔ آندھرا پردیش سے دو لاکھ آدمی چل کر دہلی پہنچ گئے اور اندرا گاندھی کے گھر کا گھیراؤ کر کے بیٹھ گئے کہ ہم یہاں سے نہیں اٹھیں گے چاہے ہمیں گولیاں مار دو۔ جو وزارت ہمارے ووٹوں سے بنی ہے، اسے برطرف کرنے کا تمہیں کوئی حق نہیں۔ چنانچہ اس عوامی دباؤ کے باعث وہ وزارت بحال کر

دی گئی۔ اس کے برعکس کشمیر میں کوئی عوامی ردعمل نہیں ہوا' بلکہ فاروق عبداللہ کا بہنوئی بخشی غلام محمد خود دہلی پہنچ گیا کہ میں حاضر ہوں' وزارت میرے سپرد کر دیں۔ لہٰذا اگر کشمیر میں مسلح جدوجہد کے بجائے ایک لاکھ کا جلوس نکلتا اور فرض کیجئے اس پر فائرنگ ہوتی جس کے نتیجے میں سو' دو سو آدمی شہید ہو جاتے تو دنیا میں تہلکہ مچ جاتا۔ اب جب بم پھینکا جاتا ہے تو اس کے جواب میں فوج پوری بستی کو جلا دیتی ہے' عصمت دری کے واقعات ہوتے ہیں۔ اس طریقہ کار سے آج تک کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔

موقف کے اعتبار سے دراصل میں اس معاملے میں آج وہیں کھڑا ہوا جہاں 1915ء میں مولانا ابوالکلام آزاد کھڑے تھے۔ 1857ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد کچھ علماء اپنے ذاتی حوالے سے تحریکیں چلاتے رہے جبکہ بہت سے لوگ پھانسی چڑھ گئے یا کالا پانی وغیرہ بھیج دیئے گئے۔ یہ ہماری تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے۔ پھر شیخ الہند اٹھے اور انہوں نے اس آزادی کی تحریک کی کمان سنبھالی۔ ان کی مجلس مشاورت میں یہ منصوبہ بنایا گیا کہ:

☆ شیخ الہند مولانا محمود حسن حجاز کا دورہ کریں۔ اُس وقت حجاز کے دو بڑے شہروں میں سے مکہ پر تو شریف حسین کا قبضہ تھا اور ترکوں کو وہاں سے نکالا جا چکا تھا جبکہ مدینہ میں ابھی ترکوں کی خلافت عثمانیہ قائم تھی اور وہاں کا گورنر ترک تھا۔ شیخ الہند کو یہ ذمہ داری دی گئی کہ وہ مدینہ جا کر ترک گورنر سے رابطہ کریں اور اسے اس بات پر آمادہ کریں کہ ترکی ہندوستان پر حملہ کرے۔

☆ مولانا عبیداللہ سندھی کو افغانستان بھیج دیا جائے' تاکہ وہ وہاں کے امیر کو ہندوستان پر حملے کی ترغیب دیں۔

☆ تحریک ریشمی رومال کے تحت وقت معین پر اندر سے ہندوستانی مسلمان بغاوت کریں۔

اس وقت مولانا ابوالکلام آزاد کی عمر 27 برس تھی' لیکن حضرت شیخ الہند الہلال اور البلاغ کے ذریعے سے سامنے آنے والی اُن کی دعوت قرآنی سے بہت متاثر تھے۔ لہٰذا مولانا آزاد نے مشورہ دیا کہ اب زمانہ بدل گیا ہے' آپ کو نہ تو خلافت عثمانیہ سے کوئی مدد مل سکتی ہے اور نہ ہی افغانستان سے۔ اس کی بجائے آپ کو یہیں بیٹھ کر عوامی تحریک چلانی ہوگی' اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ عوام کو منظم کیجئے۔ لاکھوں کے جلوس نکلیں' ہزاروں جانیں دے دیں تو پتہ چل جائے گا۔ یہ کام اسی طرح کرنا ہوگا۔ لیکن مولانا ابوالکلام آزاد کا یہ مشورہ قبول نہیں کیا گیا۔ لہٰذا شیخ الہند مکہ گئے تو شریف حسین نے انہیں گرفتار کر کے انگریزوں کی خدمت میں پیش کر دیا کہ آپ کا یہ باغی یہاں پر شرارت کرنے کے لئے آیا ہوا ہے۔ انگریزوں نے انہیں بحیرہ روم کے ایک جزیرے مالٹا میں اسیر رکھا۔ مولانا عبیداللہ سندھی کا بھی یہی انجام ہوتا' لیکن انہیں پہلے پتا چل گیا اور وہ وہاں سے بھاگ کر بہت سخت سفر کے بعد روس چلے گئے۔ چنانچہ یہ تحریک ناکام ہوگئی۔ یہی وجہ تھی کہ جب 1920ء میں شیخ الہند رہا ہو کر آئے تو پھر انہوں نے جمعیت علماء ہند کے دوسرے سالانہ اجلاس میں یہ تجویز پیش کی کہ اس نوجوان یعنی مولانا ابوالکلام آزاد کو اپنا امیر مانو۔ اسے امام الہند تسلیم کر کے اس کے ہاتھ پر بیعت کرو' کیونکہ زمانے کی نبض پر ہمارا نہیں' اس کا ہاتھ ہے۔ یہ شخص جانتا ہے کہ اس دور کی سوچ کیا ہے!

یہی موقف آج کشمیر کے بارے میں میرا ہے کہ وہاں پر کوئی عوامی تحریک چلنی چاہئے تھی۔ اگر لاکھ کا جلوس آتا اور سو آدمی جان دے دیتا' تو پوری دنیا میں تہلکہ مچ جاتا۔ لیکن جو کچھ کیا گیا' اس سے حالات بہتر نہیں ہوئے۔ یہی معاملہ الجزائر کے اندر ہوا ہے۔ وہاں الیکشن کے ذریعے اسلامی جماعت حکومت بنانے کے قریب آ رہی تھی' لیکن امریکہ کے زیر اثر وہاں کی فوج نے ٹانگ اڑا دی۔ اب اس کے بعد اگر عوامی تحریک چلتی اور لوگ جانیں دیتے تو اس سے مثبت نتائج نکلتے۔ اس کے بجائے انہوں نے بھی پولیس چوکیوں اور فوجی قافلوں کو نشانہ بنانا شروع کر دیا' جس سے معاملات خراب ہو گئے۔ لہٰذا ذاتی طور پر میرا یہ موقف ہے کہ مسلح جدوجہد کے بجائے عوام کو متحرک کیا جائے۔ جہاں تک شرعی معاملے کا تعلق ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ اگر مسلمان کسی علاقے میں اکثریت میں ہیں تو انہیں غیر مسلم حکمرانوں سے آزادی اور خود اختیاری حاصل کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ یہ جائز ہے اور جہاد فی سبیل الحریت ہے۔ اسے جہاد فی سبیل اللہ نہ کہیں۔ الجزائر میں 1950ء کی دہائی میں فرانس کے خلاف جنگ آزادی ہو رہی تھی' لیکن اس جنگ کو ہم نے جہاد فی سبیل اللہ کا نام دے دیا۔ وہاں سے فوجی کرنل کی قیادت میں ایک وفد چندہ جمع کرنے کے لئے پاکستان بھی آیا تھا' جس میں بہت بڑے عالم دین علامہ بشیر الابراہیمی الجزائری بھی شامل تھے۔ چنانچہ جماعت اسلامی کے فورم سے ہم نے ایک کمیٹی بنائی اور بازار میں گھوم کر لوگوں سے چندے جمع کئے۔ لیکن جب وہ جہاد کامیاب ہوا تو وہاں ایک سوشلسٹ ریاست قائم ہوگئی۔ اگر جہاد فی سبیل اللہ ہوتا تو اسلامی ریاست قائم ہونی چاہئے تھی! چنانچہ وہ جہاد آزادی کے لئے تھا اور جائز تھا۔ اس میں جنہوں نے جانیں دیں' ان کو شہادت کا رتبہ ملے گا' اس لئے کہ آنحضور ﷺ نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ جو اپنے مال کی حفاظت میں مارا جائے وہ بھی شہید ہے۔ آزادی کی حیثیت مال سے کہیں بڑھ کر ہے' چنانچہ اس کے حصول کے لئے جو جدوجہد ہوگی' وہ بھی جہاد ہے لیکن فی سبیل الحریت۔ اس کے لئے وہ شرطیں نہیں ہیں جو جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ہیں۔ میرا موقف ہمیشہ سے یہ ہے۔

کشمیر کے معاملے میں پاکستان سے جو کچھ ہوتا رہا ہے' وہ میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ ایک طویل عرصے تک ہماری حکومت کا موقف مسلسل یہ رہا کہ مقبوضہ کشمیر کے حالات میں ہمارا کوئی ہاتھ نہیں ہے' لیکن بعد میں سب کھل گیا۔ جب حکومت نے جہادی تنظیموں پر پابندی لگائی تو در اندازی کم ہوگئی۔ اب وہاں پر اکثر و بیشتر مقامی مجاہدین مارے جا رہے ہیں۔ چنانچہ یہ معاملہ کہ اوپر سے دوستی کا ہاتھ بڑھایا جا رہا ہے' ان کے ساتھ سفارتی تعلقات بھی قائم ہیں لیکن دوسری طرف یہاں سے لوگ جہاد کے لئے وہاں جا رہے ہیں' ایک ریاست کے اعتبار سے پاکستان کے لئے یہ طرز عمل ہرگز درست نہیں ہے۔ یہی موقف 1948ء میں سید ابوالاعلیٰ مودودی کا تھا۔ اُس وقت بھی وہاں اسی قسم کا جہاد ہو رہا تھا۔ ہم اس میں اپنی فوج کا کوئی عمل دخل قبول نہیں کر رہے تھے' لیکن درحقیقت ہمارے قبائلی علاقے کے لوگ وہاں گئے تھے۔ وہ جیتی ہوئی جنگ انہی کی وجہ سے ہاری گئی تھی' کیونکہ جیسے ہی کچھ فتوحات حاصل ہوئیں تو انہوں نے لوٹ مار شروع کر دی اور جس کے ہاتھ جو لگا' لے کر واپس بھاگ گیا۔ معلوم ہوا کہ یہ کوئی جہاد کرنے نہیں بلکہ لوٹ مار کرنے آئے تھے۔ اس حوالے سے اُس وقت مولانا مودودیؒ کا کہنا یہ تھا کہ پاکستان کو بھارت کے ساتھ سفارتی تعلقات توڑ کر اپنی طاقت کو حق کے حصول کے لئے لگانا چاہئے۔ کشمیر ایک مسلم اکثریتی علاقہ ہے اور تقسیم ہند کے فارمولے کی رُو سے اسے پاکستان میں ہونا چاہئے۔ لہٰذا میرا موقف کبھی بدلا نہیں ہے۔ میں حتی الامکان آخری لمحے تک اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ جو میرے نزدیک حق ہے' اُسے بیان کر دوں۔ جہاد کشمیر کے بارے میں میرے بیان کی یقیناً غلط رپورٹنگ ہوئی ہے۔

سونامی زلزلہ

دوسری بات میں سونامی زلزلے کے بارے میں کہنا چاہتا ہوں۔ یہ قیامت کی تھوڑی سی یاد دہانی ہے۔ ابھی صرف زمین کی اندرونی سطح کی دو پلیٹیں ہلی ہیں' یعنی انڈین پلیٹ 20 میٹر تک برما پلیٹ کے نیچے چلی گئی ہے' تو اس قدر تباہی آئی ہے۔ کئی جزیرے مکمل طور پر صفحہ ہستی سے مٹ گئے ہیں۔ سمندر سے لاشوں کا ملنا کوئی آسان کام نہیں۔ معلوم نہیں اس نے کتنا کچھ ہڑپ کیا ہوگا! یہ قیامت کا چھوٹا سا نقشہ ہے جو ہمارے سامنے آ گیا۔ سورۃ الزلزال کی پہلی آیت میں فرمایا گیا: ''جب (اللہ تعالیٰ) ہلا ڈالے گا زمین کو اُس کے زلزلے سے''۔ ابھی تو زمین کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے میں زلزلہ آیا ہے اور سمندر کی تہہ میں شگاف پڑ گیا ہے۔ قیامت میں تو پوری زمین پر یہ کیفیت ہوگی' جسے سورۃ الحج کی پہلی آیت میں ایک بہت بڑی شے سے تعبیر کیا گیا ہے: ''لوگو! ڈرو اپنے رب سے۔ بے شک قیامت کا زلزلہ ایک بڑی چیز ہے''۔ سورۃ الزلزال کی دوسری آیت میں ارشاد ہوا: ''اور زمین اپنے اندر کے سارے بوجھ نکال کے باہر لے آئے گی''۔ اس سے عام طور پر یہ مراد لی جاتی ہے جو لوگ دفن ہو گئے ہیں' زمین صرف ان کو نکال لائے گی۔

یہ بھی ٹھیک ہے' لیکن زمین کے پیٹ میں اصل چیز آگ اور لاوا ہے۔ سورۃ الانشقاق کی آیات 1 تا 4 میں قیامت کا اس قدر صحیح نقشہ کھینچا گیا ہے کہ: ''جب آسمان پھٹ جائے گا' اور وہ اپنے رب کے حکم کو سنے گا' اور یہی اس کا کام ہے۔ اور جب زمین کو کھینچا جائے گا اور جو کچھ اس کے اندر ہے وہ اسے باہر نکال کر پھینک دے گی اور خود خالی ہو جائے گی''۔ ایک مفسر کی رائے کے مطابق یہ جہنم ہے جو زمین کے پیٹ میں سے نکلے گی۔ قرب قیامت کے بارے میں جو احادیث موجود ہیں' ان کی رُو سے بھی بہت بڑے بڑے زلزلے آئیں گے۔ ان سماوی اور ارضی آفات سے بچاؤ کا کوئی طریقہ دنیا کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملک امریکہ کے پاس بھی نہیں ہے۔ دس دس فٹ اونچی لہروں کے سامنے کیا چیز بچ سکتی ہے! وہاں پر جب اس نوع کے طوفان آتے ہیں تو اربوں ڈالر کی تباہی ہو جاتی ہے۔ پوری پوری آبادیاں برباد ہو جاتی ہیں۔ علاقے میں کئی مہینے تک آگ لگی رہتی ہے۔ جنگل مکمل طور پر صاف ہو جاتے ہیں۔ فضا سے پانی برسایا جاتا ہے' گیسوں کا سپرے کیا جاتا ہے لیکن آگ نہیں بجھتی۔

حدیث میں تین بڑے خسفوں کا ذکر کیا گیا ہے: ایک مشرق میں' ایک مغرب میں اور ایک درمیان میں۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جہاں جہاں سے تیل نکالا جا رہا ہے' وہاں زمین میں خلا پیدا ہوتا جا رہا ہے۔ چنانچہ زمین ایک دم بیٹھے گی اور اس کے اوپر جو کچھ ہوگا' وہ دھنس جائے گا۔ تو جن علاقوں میں سے زیادہ تیل نکالا جا رہا ہے وہیں وہ خسف ہوں گے۔ لہٰذا زلزلہ' طوفان اور خسف قیامت کی نشانیوں میں سے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ اتنی بڑی بڑی تباہیوں سے بھی کوئی سبق حاصل نہیں کیا جاتا۔ ہوش میں آ کر اللہ کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ آج بھی یہ کہا جا رہا ہے کہ یوں ہو گیا تھا' اس وجہ سے ہو گیا تھا' نائن سکیل کے اوپر زلزلہ آ گیا تھا' زمین میں دراڑ پڑ گئی تھی' وغیرہ وغیرہ۔ یہ ٹھیک ہے' لیکن سوچنا چاہئے کہ یہ زمین کس کا حکم مانتی ہے! سورۃ الطور کی دسویں آیت کی رُو سے وہ بھی وقت آئے گا کہ پہاڑ ایسے چلیں گے جیسے دھنکی ہوئی روئی ہو۔ یہ سارا وقت بہت زیادہ دور نہیں ہے' اس لئے کہ احادیث نبویہ میں مذکور قیامت کی ساری نشانیاں کھل کر سامنے آ رہی ہیں۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ قیامت کی پہلی نشانی میں خود ہوں۔ آپؐ نے دو انگلیاں جوڑتے ہوئے فرمایا کہ میں اور قیامت اس طرح جڑے ہوئے ہیں۔ میرے بعد اب کوئی نبی نہیں' تمہارے بعد اب کوئی امت نہیں۔ اب قیامت ہی آئے گی۔ اس حوالے سے ہر شخص کو سوچنا چاہئے کہ اس نے آئندہ زندگی کے لئے آگے کچھ بھیجا ہے کہ نہیں! اپنی قوت' صلاحیت' مالی ذرائع میں سے کتنا کچھ آخرت کے گھر کے لئے بھیجا گیا ہے' اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ (ملخص: محمد خلیق)

پریس ریلیز

.2004-1-7

ہمارے حکمران اپنے نیوکلیئر پروگرام کو بچانے کے لئے یہود و نصاریٰ کے آگے بچھے جا رہے ہیں، حالانکہ اصل قوت و اختیار کا مالک صرف اللہ ہے جس نے قرآن حکیم میں واضح طور پر فرما دیا ہے کہ یہود و نصاریٰ ہم سے کبھی راضی نہ ہوں گے جب تک کہ مسلمان اپنے دین کو چھوڑ کر ان کی پیروی اختیار نہ کر لیں۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے مسجد دارالسلام باغ جناح میں خطبہ جمعہ کے دوران کہی۔ انہوں نے کہا کہ یہود و نصاریٰ دراصل دین محمد ﷺ کو رسوا کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ نصاب میں تبدیلی کا معاملہ ہو یا ہماری بیوروکریسی کو ایک خاص رُخ پر ڈالنے کی کوشش یا پاسپورٹ سے مذہب کا خانہ ختم کروانے کے لئے دباؤ ڈالا جائے، ان کے ہر عمل کا مقصد دین اسلام کو دبانا ہے۔ چنانچہ ہمیں اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہئے کہ یہود و نصاریٰ ہمیشہ ہماری دوستی کا دم بھرتے رہیں گے، بلکہ وہ اپنا مطلب نکلنے کے بعد ہمارے ساتھ بھی عراق و افغانستان جیسا معاملہ کرنے سے گریز نہیں کریں گے۔ لہٰذا ہمیں صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کے دامن میں پناہ لینی چاہئے۔

قبل ازیں خطبہ جمعہ کے دوسرے حصہ کے عربی متن کی تشریح بیان کرتے ہوئے حافظ عاکف سعید نے کہا کہ نبی اکرمؐ نے دین اور ایمان جانچنے کا ہمیں یہ پیمانہ دیا ہے کہ جس شخص میں عہد کی پاسداری کا وصف نہیں اس کا کوئی دین نہیں اور جو امانت دار نہ ہو وہ ایمانِ حقیقی سے محروم ہے۔ انہوں نے بتایا کہ خطبہ ثانی کے آغاز میں اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ اللہ اپنے مومن بندوں کے لئے کافی ہے اگر وہ اس پر ایمان و یقین اور توکل رکھیں اور اس کے وفادار بن کر زندگی گزاریں۔ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کے کاموں سے بچنے کا حکم دیتا ہے لیکن افسوس ہمارے ہاں سرکاری سرپرستی میں بے حیائی کی تمام شکلوں کو فروغ دیا جا رہا ہے اور اس پر مستزاد یہ دعویٰ کہ ہم دین کے بڑے محافظ ہیں۔ یہ طرز عمل اللہ کے غضب کو بھڑکانے کے مترادف ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں بحیثیت مسلمان اپنے حکمرانوں سے یہ مطالبہ کرنا چاہئے کہ وہ اللہ کے احکامات کے مطابق نظام مملکت چلائیں، ورنہ عذاب الٰہی کی گرفت سے ہمیں کوئی نہ بچا سکے گا۔

(جاری کردہ: شعبہ نشر و اشاعت' تنظیم اسلامی)

عذابِ قبر

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قبر میں دفن ہونے کے بعد میت کے پاس دو سیاہ فام فرشتے آتے ہیں جن کی آنکھیں نیلگوں ہوتی ہیں' ایک کو ''منکر'' اور دوسرے کو ''نکیر'' کہتے ہیں وہ دونوں فرشتے کہتے ہیں۔ اس آدمی کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ وہ وہی بات کہتا ہے جو پہلے سے کہتا رہا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ (یہ جواب سن کر) وہ کہتے ہیں آپ کے اس جواب کا ہمیں پہلے سے علم تھا (پھر کیا ہوتا ہے؟) پھر قبر اس (کی راحت اور آرام) کے لئے ستر ہاتھ مربع کے برابر کشادہ اور وسیع ہو جاتی ہے اور اس کا احاطہ بقعۂ نور بن جاتا ہے (تاریکی اور وحشت کا نام و نشان نہیں رہتا)۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے ''سو جاؤ'' (لیکن) صاحب قبر کہتا ہے میں اپنے بال بچوں کو خوشخبری سنانے کے لئے واپس جاتا ہوں' وہ کہتے ہیں اب تم اس دلہن کی طرح محوِ خواب ہو جاؤ جسے اس کا محبوب ترین شخص بیدار کرتا ہے (وہ بڑے سکون اور اطمینان کے ساتھ سو جاتا ہے) یہاں تک کہ اللہ (قیامت کے دن) اسے اس کی خواب گاہ سے بیدار کرے گا۔

اگر (قبر میں دفن ہونے والا) منافق ہے تو وہ (فرشتوں کے اس سوال کے جواب میں) کہتا ہے میں خود تو نہیں جانتا کہ یہ محمد ﷺ کون ہیں؟ البتہ لوگوں کی دیکھا دیکھی ایک بات زبان سے کہتا رہا ہوں۔ یہ جواب سن کر فرشتے کہتے ہیں ہم جانتے ہیں کہ تو یہی جواب دے گا۔ پھر زمین سے کہا جاتا ہے ''تو اس پر حملہ کر دے اور دبوچ لے''۔ زمین اس پر ٹوٹ پڑتی ہے اور اس کی پسلیاں الٹ پلٹ ہو جاتی ہیں' یہ منافق ہمیشہ قبر کے عذاب میں گرفتار رہے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے قبر سے اٹھا کھڑا کرے گا''۔ (رواہ ترمذی)

سید قطب شہید شہادت گاہ میں

حافظ محبوب احمد خان

سید قطب 1906ء میں مصر کے ضلع اسیوط کے موشا نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ اصلی نام سید تھا قطب آپ کا خاندانی نام ہے۔ والد کا نام حاجی ابراہیم قطب جبکہ والدہ کا اسم گرامی فاطمہ حسین عثمان تھا۔ موصوفہ بڑی دیندار اور خدا پرست تھیں۔

تعلیم و تربیت

والد کا پیشہ زراعت تھا۔ سید کی ابتدائی تعلیم گاؤں کے سادہ ماحول میں ہوئی۔ انہوں نے اپنی والدہ محترمہ کی دلی آرزو کے مطابق بچپن میں قرآن کریم حفظ کر لیا۔ اس زمانے میں مصر کے دیندار گھرانوں میں حفظ قرآن کا عام رواج تھا۔ خاص طور پر جو خاندان اپنے بچوں کو ازہر کی تعلیم دلانے کا شوق رکھتے تھے انہیں لازماً بچوں کو قرآن حفظ کرانا پڑتا تھا۔ سید کے والدین گاؤں کو چھوڑ کر قاہرہ کی ایک نواحی بستی حلوان میں آباد ہو گئے۔ سید قاہرہ کے ثانوی مدرسے ''تجہیزیہ دار العلوم'' میں داخل ہو گئے۔ اس مدرسہ میں ان طلبہ کو داخل کیا جاتا تھا جو یہاں سے فارغ ہو کر قاہرہ یونیورسٹی میں تکمیل تعلیم کرنا چاہتے تھے۔ سید نے ''تجہیزیہ دار العلوم'' سے فارغ ہوتے ہی 1929ء میں دار العلوم قاہرہ (موجودہ قاہرہ یونیورسٹی) میں داخلہ لے لیا۔ اور 1933ء میں یہاں سے بی اے کی ڈگری اور ڈپلوما ان ایجوکیشن حاصل کیا۔ کالج میں ان کا شمار بڑے ذہین طلبہ میں ہوتا تھا۔ تعلیم سے فارغ ہو کر وزارت تعلیم میں ملازمت کر لی اور انسپکٹر آف سکولز کی حیثیت میں 1952ء تک ملازم رہے۔ 1949ء میں وزارت کی جانب سے طریقہ تعلیم و تربیت کے مطالعہ کے لئے امریکہ گئے اور دو سال قیام کر کے 1951ء میں واپس آئے۔ امریکہ کا مختصر قیام ان کے لئے خیر و برکت کا موجب ہوا۔ موصوف نے مادی زندگی کی تباہ کاریوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ چنانچہ انہیں اسلام کی حقانیت و صداقت پر مزید اطمینان ہوا۔ اور وہ اس یقین کے ساتھ واپس آئے کہ انسانیت کی اصل فلاح اسلام میں ہے۔

دوران تعلیم اور اس کے بعد عرصہ تک اسلام سے گہرا اور عملی لگاؤ نہیں رہا بلکہ خالص ادبی رنگ غالب رہا۔ اسی دور میں انہوں نے قرآن کریم پر ادبی اور فنی زاویہ سے نگاہ ڈالی اور اپنے مطالعہ کے نتائج ''التصویر الفنی فی القرآن'' اور ''مشاہد القیامہ فی القرآن'' نامی دو کتابوں میں پیش کئے۔ قرآن کریم کا یہ مطالعہ اور ان دونوں کتابوں کی تصنیف سید قطب کی شخصیت میں ایک خوشگوار انقلاب کا ذریعہ ثابت ہوئی۔ عقلی اور جذباتی دونوں اعتبار سے اسلام سے دلچسپی اور وابستگی بڑھنے لگی اور اب ان کی توجہات زیادہ تر اسلام کے مسائل کے مطالعہ کی طرف مبذول ہو گئیں۔

اخوان المسلمون سے وابستگی

امریکہ سے واپس آتے ہی سید قطب نے ''اخوان المسلمون'' کی جانب توجہ دی۔ ان کی دعوت کا مطالعہ کیا اور بالآخر وہ 1945ء میں اخوان سے وابستہ ہو گئے۔ ان دنوں اخوان کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ دو سالوں کے اندر اندر ان کے کارکنوں کی تعداد 25 لاکھ تک پہنچ گئی تھی اور عام ارکان اور ہمدردوں کی تعداد اس سے بھی دوگنی تھی۔ 12 فروری 1949ء میں اخوان کے مرشد عام استاذ حسن البناء شہید کئے گئے اور جماعت کو خلاف قانون قرار دیا گیا۔ اس آزمائش کے بعد اخوان کے اندر جن لوگوں کو نمایاں اہمیت حاصل ہوئی ان میں ایک حسن الہضیبی ہیں جو بعد میں اخوان المسلمون کے مرشد عام منتخب ہوئے اور دوسرے عبدالقادر عودہ شہید ہیں جو جماعت کے جنرل سیکرٹری مقرر ہوئے اور تیسرے جناب سید قطب شہید جنہوں نے فکری میدان میں جماعت کی عظیم الشان خدمات سرانجام دیں۔

1952ء کے وسط میں اخوان المسلمون کی تحریک دوبارہ بحال ہوئی۔ فاروق کا دور جبر ختم ہوا۔ اخوان کے رہنما اور کارکن جیلوں سے رہا ہوئے۔ اور حسن الہضیبی کی قیادت میں قافلہ تحریک نئے ولولوں سے واقف ہوا۔ استاد سید قطب اخوان کی مجلس عاملہ کے رکن منتخب ہوئے۔ جماعت کے مرکزی دفتر میں انہیں شعبۂ توسیع دعوت کا انچارج مقرر کر دیا گیا۔ 1952ء سے پہلے وہ جماعت کے ایک عام کارکن تھے مگر اب ان کا شمار رہنماؤں میں ہونے لگا اور انہوں نے اپنی زندگی ہمہ تن دعوت و جہاد کے لئے وقف کر دی۔

جولائی 1954ء میں اخوان کی ''مجلس دعوت اسلامی'' نے سید قطب کو جریدہ ''اخوان المسلمون'' کا رئیس التحریر مقرر کیا۔ موصوف نے صرف دو ماہ تک اس جریدے کی ایڈیٹری کے فرائض سرانجام دیئے۔ 10 ستمبر 1954ء کو یہ اخبار کرنل ناصر کی حکومت کی طرف سے بند کر دیا گیا۔ ایک جعلی سازش کے الزام میں حکومت مصر نے اخوان المسلمون کو خلاف قانون قرار دے دیا۔ اخوان رہنماؤں کو گرفتار کر لیا۔ انہیں موت کی سزائیں دی گئیں۔ جن لوگوں کی 7 نومبر 1954ء کو موت کی سزائیں دی گئیں ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

1) عبدالقادر عودہ شہید 2) محمد فرغلی
3) یوسف طلعت 4) ابراہیم الطیب
5) ہنداوی دویر 6) محمود عبداللطیف

اخوان کے ہزاروں کارکنوں کو جیلوں میں ٹھونس دیا گیا اور ایسا محشر خیز ہنگامہ برپا ہوا کہ ہر اس شخص کی عزت و آبرو اور جان و مال پر دست درازی کی گئی جو اخوان کے ساتھ کسی نہ کسی نوعیت کا تعلق رکھتا تھا۔ ان گرفتار شدگان میں سید قطب بھی تھے۔ انہیں مصر کی مختلف جیلوں میں رکھا گیا۔ کبھی فوجی جیل میں اور گاہے ابوزعبل کی ہولناک جیل میں۔ سید موصوف کی گرفتاری اور تعذیب کی داستان بڑی زہرہ گداز ہے۔ موصوف کے ایک شاگرد جناب یوسف العظم لکھتے ہیں:

> ''تعذیب کے گوناگوں پہاڑ سید قطب پر توڑ گئے۔ انہیں آگ سے داغا گیا۔ پولیس کے کتوں نے انہیں کچلیوں میں لے کر گھسیٹا۔ ان کے سر پر مسلسل کبھی گرم اور کبھی ٹھنڈا پانی انڈیلا گیا۔ انہیں لاتوں اور گھونسوں سے مارا گیا۔ دل آزار الفاظ اور اشاروں سے ان کی توہین کی گئی مگر ان سب چیزوں نے سید کے ایمان و اذعان میں اضافہ کیا اور حق پر ان کے قدم مزید جم گئے''۔

(الشہید سید قطب ص 30)

13 جولائی 1955ء کو مصر کی ''عوامی عدالت'' کی طرف سے سید قطب کو 15 سال قید با مشقت کی سزا سنائی گئی۔ عوامی عدالت کا یہ فیصلہ ان کی غیر حاضری میں سنایا گیا کیونکہ موصوف اس قدر کمزور ہو چکے تھے کہ وہ عدالت میں حاضر نہ ہو سکتے تھے۔ 15 سالہ قید با مشقت کا ابھی ایک سال گزرا تھا کہ جمال عبدالناصر کی طرف سے ایک نمائندہ سید قطب کے پاس جیل خانے بھیجا گیا۔ اس نے سید قطب کو یہ پیشکش کی کہ اگر آپ چند سطریں معافی نامہ کی لکھ دیں'

جنہیں اخبارات میں شائع کیا جا سکے تو آپ کو رہا کر دیا جائے گا اور جیل کے مصائب سے نجات پا کر آپ گھر کی آرام دہ زندگی سے متمتع ہو سکیں گے۔ اس پیشکش کے جواب میں اس مردِ مومن نے جو جواب دیا اسے تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ انہوں نے کہا:

"مجھے ان لوگوں پر تعجب آتا ہے کہ جو مظلوم کو کہتے ہیں کہ ظالم سے معافی مانگ لے خدا کی قسم اگر معافی کے چند الفاظ مجھے پھانسی سے بھی نجات دے سکتے ہوں تو میں تب بھی کہنے کے لئے تیار نہ ہوں گا اور میں اپنے رب کے حضور اس حال میں پیش ہونا پسند کروں گا کہ میں اس سے خوش ہوں گا اور وہ مجھ سے خوش ہو"۔

1964ء کے وسط تک سید قطب مصر کے مختلف جیل خانوں میں رہے۔ ابتدائی تین سال تو انہوں نے انتہائی اذیت اور عذاب میں گزارے مگر بعد میں جبر و تشدد کا سلسلہ ہلکا کر دیا گیا۔ اور خود انہیں جیل کے اندر اپنے علمی مشاغل جاری رکھنے کی سہولت کسی حد تک مہیا ہو گئی۔ اس جزوی سہولت سے انہوں نے پورا فائدہ اٹھایا اور اپنی تفسیر "فی ظلال القرآن" کی تکمیل پر متوجہ ہو گئے۔ 1964ء کے وسط میں جبکہ ان کی قید کو تقریباً دس سال ہو گئے تھے عراق کے مرحوم صدر عبدالسلام عارف کی سفارش پر جیل سے رہا کر دیا گیا' مگر اس رہائی سے عملاً کوئی فرق نہ پیدا ہوا کیونکہ وہ برابر پولیس کی نگرانی میں رہتے تھے اور انہیں آزادانہ نقل و حرکت کی اجازت نہ تھی۔

اس مقید آزادی کو ایک سال بھی نہ گزرنے پایا کہ سید قطب کو دوبارہ گرفتار کر لیا گیا۔ ان پر الزام تھا کہ وہ طاقت کے ذریعے حکومت کا تختہ الٹنا چاہتے تھے۔ چنانچہ نہ صرف انہیں بلکہ ان کے بھائی محمد قطب اور ان کی ہمشیرگان حمیدہ قطب اور امینہ قطب کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ ڈیلی ٹیلی گراف کی رپورٹ کے مطابق گرفتار شدگان کی تعداد بیس ہزار سے تجاوز کر گئی۔ ان میں سات سو کے قریب عورتیں تھیں۔ کچھ عرصہ کے بعد خاص فوجی عدالتوں میں ان کے خلاف مقدمہ دائر کیا گیا۔ ملزموں کی طرف سے کوئی وکیل مقدمہ کی پیروی کرنے والا نہ تھا۔ ملک کے باہر کے وکلاء نے مقدمہ کی پیروی کرنا چاہی مگر انہیں اجازت نہیں دی گئی۔ جنوری اور فروری 1966ء میں ٹریبونل کے سامنے جو کارروائی ہوئی اس میں ملزموں نے بتایا کہ زبردستی اقبال نامے حاصل کرنے کے لئے ان کو جبر و تشدد اور اعضاء شکنی کا نشانہ بنایا گیا۔ خود سید قطب نے بھی جو اس مقدمہ کی مرکزی شخصیت تھے یہی الزام لگایا۔ ٹریبونل کے صدر نے ملزم کا منہ فوراً بند کر دیا اور ان کی شہادت سننے سے انکار کر دیا۔

اگست 1966ء کو سید قطب اور ان کے دو ساتھیوں کو فوجی ٹریبونل کی طرف سے موت کی سزائیں سنائی گئیں۔

ان سزاؤں پر پوری دنیا کے اندر شدید ردعمل ہوا۔ دینی رہنماؤں' سیاسی شخصیتوں' مذہبی اور اصلاحی تنظیموں اور اخبارات و رسائل کی طرف سے سزاؤں میں تبدیلی کی درخواست کی گئی مگر شنوائی نہ ہو سکی اور بالآخر دو شنبہ 29 راگست 1966ء کو صبح سویرے مصری حکومت نے سید قطب اور ان کے دو رفقاء محمد یوسف ہواش اور عبدالفتاح اسماعیل کو تختہ دار پر چڑھا دیا۔ اس طرح یہ بے نظیر شخصیت جو عرب دنیا کے الحاد پرست اور لادین عناصر کی آنکھ میں کانٹے کی طرح کھٹک رہی تھی اپنے رب سے جا ملی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

بقیہ: اداریہ

سونیا گاندھی کا یہ کہنا ہمیں انتہائی ناگوار گزرا تھا کہ پاکستان کو ہم ثقافتی طور پر فتح کر ہی چکے ہیں لیکن یہ اب حقیقت بن کر سامنے آ رہی ہے۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے لیکن حقائق سے نظریں چرانے سے حقائق تبدیل نہیں ہوا کرتے۔ پس یہ بات طے شدہ ہے کہ ہم اپنا الگ تشخص صرف اسی صورت میں قائم رکھ سکیں گے اگر ہم نے اس مقصد کو پایہ تکمیل تک پہنچایا جس کے لئے پاکستان قائم ہوا تھا یعنی پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ۔

لہٰذا بھارت سے خوشگوار تعلقات قائم کرنے سے پہلے کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ اللہ سے کیا ہوا اپنا وعدہ پورا کریں اور پاکستان کو حقیقی اسلامی فلاحی ریاست بنائیں۔ راقم اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے دعویٰ سے کہہ سکتا ہے کہ تب بھارت سے قریبی تعلقات اور آزادانہ میل جول نہ صرف بہت مفید ثابت ہوگا بلکہ کشمیر بھی پکے ہوئے پھل کی طرح ہماری جھولی میں آ گرے گا۔

حکمرانوں اور عوام دونوں کو اللہ کے نام کا واسطہ ہے کہ وہ حالات کی سنگینی کو سمجھیں اور اسی کی طرف رجوع کریں اس کے دین کو اس خطہ زمین میں نافذ کر دیں پھر دنیا خود بخود آپ سے رجوع کرے گی۔ آپ سے تعلقات استوار کرنے میں عافیت سمجھے گی اور اگر ہم اس نکتہ کو نہ سمجھے تو مٹ جائیں گے اور دنیا کے لئے عبرت کا سامان بن جائیں گے۔ (ایوب بیگ مرزا)

عارف والا میں سہ روزہ پروگرام

مرکزی شعبہ دعوت کے زیر اہتمام 28 تا 30 جنوری 2005ء سہ روزہ پروگرام عارف والا میں منعقد ہو رہا ہے۔ شرکاء عارف والا میں محمد ناصر صاحب سے فون نمبر: 0446-33149' موبائل: 0300-4120723 پر رابطہ کریں۔

مضافات سے آنے والے رفقاء جمعۃ المبارک 28 جنوری کی صبح شیل کے پٹرول پمپ جنرل بس سٹینڈ عارف والا یا 27 جنوری (بروز جمعرات) نماز عشاء تک مرکزی دفتر گڑھی شاہو لاہور پہنچ جائیں۔

المعلن: مرکزی شعبہ دعوت گڑھی شاہو لاہور

اطلاع

قارئین آگاہ رہیں کہ عید کی تعطیلات کے باعث آئندہ شمارہ حوالہ ڈاک نہیں کیا جا سکے گا لہٰذا شمارہ شائع نہیں ہوگا۔

قارئین ندائے خلافت کو
عیدالاضحیٰ
مبارک

پہلی جنگِ عظیم اور خلافت عثمانیہ

سید قاسم محمود

اٹلی اور ترکی کے درمیان کوئی وجہ مخاصمت نہ تھی۔ طرابلس الغرب کی تمام آبادی مسلمان تھی اور نسلاً عرب اور ترک۔ تھوڑے سے اطالوی بھی تھے' اُن کو دولت عثمانیہ سے کوئی شکایت نہ تھی۔ 2 دسمبر 1910ء کو اٹلی کے وزیر خارجہ نے اطالوی پارلیمنٹ میں یہ اعلان کیا کہ ہم ترکی سلطنت کی سالمیت چاہتے ہیں اور یہ کہ طرابلس ترکی سلطنت کا حصہ رہے۔ مگر کسی ظاہری وجہ اور ترکوں کی طرف سے کسی اشتعال کے بغیر' اٹلی نے ستمبر 1911ء میں اعلان کر دیا کہ وہ طرابلس پر قبضہ کرے گا۔ اٹلی کو اس پر جلن تھی اس لئے کہ فرانس تیونس پر قابض تھا۔ افریقہ کے ساحل کے قریب ہونے کی بنا پر وہ تیونس کو اپنا حق سمجھتا تھا۔

فرانس نے اپنے خلاف اطالویوں کی یہ شکایت رفع کرنے کے لئے' خفیہ طور پر' یہ رضامندی دے دی کہ اٹلی طرابلس پر قبضہ کر لے۔ برطانیہ نے باضابطہ اٹلی کا یہ اقدام منظور نہیں کیا' لیکن اس اہم مسئلے پر اُس نے سکوت اختیار کر کے درپردہ اٹلی کی حوصلہ افزائی کی اور پھر یہ مدد بھی دی کہ مصر کی غیر جانب داری کا اعلان کر کے ترکوں کو مصر کے راستے طرابلس الغرب (لیبیا) میں فوجیں بھیجنے سے روک دیا۔ برطانیہ کو اس کا کوئی حق نہیں تھا۔ مصر اُس وقت تک دولت عثمانیہ کا ملک تھا۔

انور بے کی قیادت میں ترک مقامی عربوں کی تنظیم کر کے' بڑی بہادری سے طرابلس کی مدافعت کر رہے تھے' مگر 1912ء کے آغاز میں یونان کے مشہور فتنہ پرداز وزیراعظم موسیو وینی زیلوس (Venizelos) کی کوشش اور تدبیر سے' ترکوں کے خلاف یونان' بلغاریہ اور سرویا کا اتحاد قائم ہو گیا اور پھر اس اتحاد میں مانٹی نیگرو بھی شامل ہوا۔ سلطنت عثمانیہ کی مسیحی اقلیت کے حقوق کی حفاظت کے بہانے سے' جو یورپ کی عیسائی سلطنتوں کا عرصہ دراز سے معمول رہا تھا' ان سب نے مل کر سلطنت عثمانیہ کو جنگ کا الٹی میٹم دے دیا۔ ترکوں نے یہ دیکھ کر کہ دو محاذوں پر ایک ساتھ جنگ دشوار ہے' فوراً اٹلی سے امن معاہدہ کر لیا اور طرابلس سے اپنی فوجیں واپس بلانے پر رضامند ہو گئے۔ اس طرح عملاً انہوں نے طرابلس پر اٹلی کا قبضہ تسلیم کر لیا۔ اس کے جواب میں اٹلی نے جزائر بحیرۂ ایجین سے اپنی فوجیں ہٹانا منظور کیا' مگر اس نے یہ وعدہ ایفا نہ کیا۔

بلقان میں جنگ شروع ہو گئی۔ ترکوں کو محض اس وجہ سے مسلسل شکستیں ہوئیں کہ اُن کی افواج میں کثرت سے مقامی عیسائی آبادی کے لوگ تھے' جن کو حملہ آوروں کے ساتھ مذہبی ہمدردی تھی۔ دشمن کے خفیف سے دباؤ سے یہ عیسائی سپاہی بھاگنے لگتے تھے اور اپنے گھروں میں جا کر دم لیتے تھے۔ پھر یہ بھی تھا کہ ترکوں کی فوج کی تنظیم اچھی نہ تھی۔ ترکوں کا دستوری انقلاب 1908ء میں ہوا تھا اور نوجوان ترکوں کو یورپی ممالک کی دراندازیوں کی وجہ سے فوج اور ملکی انتظامات میں وہ تمام اصلاحات نافذ کرنے کا موقع نہیں ملا تھا جو دستور کے تحت ضروری تھیں۔ سب سے بدتر بات یہ تھی کہ بڑے بڑے ترک افسروں اور عمال حکومت میں اب بھی بہت سے ایسے تھے جو یورپی ملکوں کی سازشوں میں شریک تھے۔ اُن سے رشوتیں لیتے تھے اور اپنے ملک و قوم کو نقصان پہنچاتے تھے۔ جنگ بلقان میں ترکوں کا بڑا سخت نقصان ہوا۔ وہ تو آخر میں مفتوحہ علاقے کی تقسیم پر خود ہی بلقانی ریاستوں کے درمیان جھگڑا ہو گیا اور پھر اسی وجہ سے جنگ میں ترکوں نے اور نہ' دیموجیکا اور قرق کلیسا دوبارہ فتح کر لئے ورنہ اُس وقت یورپ میں اُن کے پاس کچھ نہ رہا تھا۔

ان حالات میں 1914ء کی عالمگیر جنگ شروع ہوئی۔ برطانیہ کی یہ شرارتیں کہ ترکی نے جو کروزر برطانیہ سے خریدے تھے اور اُن کی قیمت ادا کر دی تھی وہ اُس نے ضبط کر لئے' ترکوں کی فوج کو مصر کے راستے طرابلس نہیں جانے دیا' طرابلس پر اٹلی کے حملے کو تحسین آمیز سکوت کے ساتھ پسند کیا' فرانس کی یہ حماقت کہ اپنے تیونس کے قبضے کے خلاف اٹلی کی حاسدانہ سوزش رفع کرنے کے لئے اُس نے طرابلس پر اٹلی کے حملے کی تائید کی' روس صدیوں سے بازنطینی روایات و سلطنت کی وراثت کا دعوے دار تھا' اور قسطنطنیہ پر قبضے کا طالب' لہٰذا ترکوں کے لئے کوئی صورت نہ تھی کہ وہ پہلی جنگ عظیم میں انگلستان اور فرانس کے حلیف بنتے۔ اس وقت اُن کے لئے غیر جانبدار رہنا بھی ممکن نہ تھا۔ نہایت انحطاط و زوال کے باوجود یورپ کی سیاست میں سلطنت عثمانیہ کا عمل دخل اتنا ضرور تھا کہ ہر فریق اُس سے فائدہ اٹھاتا۔ چونکہ طرابلس اور بلقان کی جنگوں میں جرمنی کا طرزِ عمل ترکوں کے خلاف نہیں تھا' فتح اور نہ پر قیصر جرمنی نے سلطان محمد خامس کے نام تہنیت کا تار بھیجا تھا' بلقان میں ترکی فوج کی کمزوریاں ظاہر ہونے پر جب حکومت ترکی نے فوج کی تنظیم درست کرنے کا اہتمام کیا تو حکومت جرمنی نے اُس میں اُن کے ساتھ تعاون کیا اور اس کے لئے جنرل فان درگولتز کو ترکیہ بھیج دیا۔ اس طرح ترک' جرمنی کے حلیف بن کر' جنگ عظیم میں شریک ہو گئے۔

ترکوں کے اس اعلان کے ساتھ ہی برطانیہ نے اپنی سیادت میں مصر کی خودمختاری کا اعلان کیا اور جزیرۂ قبرص کا اپنی سلطنت کے ساتھ الحاق کر لیا۔

1908ء سے 1914ء تک ترکوں کے قبضے سے بہت سے علاقے نکل چکے تھے' مقدونیہ' اپی رس' البانیہ اور تھریس کا بڑا حصہ' بحیرہ ایجین میں کریٹ' قبرص اور کئی دوسرے جزائر۔ بلغاریہ' بوسنیا' ہرزی گووینا کی بادشاہت یورپ میں اور مصر و طرابلس کی بادشاہت افریقہ میں۔ یہ اتنے عظیم نقصانات تھے کہ اُن کے نصف اور چوتھائی سے ایک ایک سلطنت بن سکتی تھی۔

جس وقت ترکی جنگ عظیم میں شریک ہوا' ہندوستان کے مسلمان بے قرار و مضطرب ہو گئے۔ اس سے پہلے ترکی کے قبضے سے ایک ایک ملک کا نکل جانا اُن کے دلوں پر ایک ایک زخم چھوڑ گیا تھا۔ اب نئے اندیشہ پیدا ہوئے۔ جزیرۃ العرب' مقاماتِ مقدسہ' خلافت' اگر جرمنی کو شکست ہوئی تو دنیا میں مسلمانوں کا کہیں ٹھکانہ نہ رہے گا۔ ترکی اُس وقت دنیا میں مسلمانوں کی واحد آزاد سلطنت تھی اور خلافت کی وجہ سے اس کے ساتھ یہ امید قائم کہ کسی وقت امت مسلمہ کے لئے مرکزیت اور وحدت کی صورت پیدا ہو جائے گی۔ وطن کے ساتھ ویسی ہی محبت کے باوجود جو سب کو ہوتی ہے' مسلمانوں کا مزاج ہمیشہ عالمگیر اور آفاقی رہا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ مسلمان دنیا کے ہر حصے میں موجود ہیں اور زبان سے اعلان کئے بغیر ہر مسلمان اپنے کو اس عالمگیر قوم کا جزو سمجھتا ہے اور عالمی امور سے اُس کو گہری دلچسپی ہے۔

برطانیہ کو معلوم تھا کہ مسلمانانِ ہند ترکی کے لئے نہایت فکرمند اور مضطرب ہیں اور ہندوستان کے مسلمان سے جنگ میں برطانیہ کو مدد بھی لینی تھی۔ لائڈ جارج وزیراعظم برطانیہ نے اعلان کیا: ''اور نہ ہم اس لئے جنگ کر رہے ہیں کہ ترکی کو تھریس اور ایشیائے کوچک کی زرخیز اور مشہور سرزمین سے محروم کر دیں' جس کی آبادی اکثریت کے ساتھ ترکی النسل ہے''۔ مسلمانوں کا دعویٰ یہ تھا کہ پورا جزیرۃ العرب' جس میں عراق' حجاز' شام' فلسطین شامل ہیں'

اور تمام مقدمات مقدسہ واقع ہیں' براہِ راست خلیفۃ المسلمین کی سیادت میں رہنا چاہئے۔

جنگ میں جرمنی کو شکست ہوئی اور اس کے تمام حلیفوں کو شکست ہوئی۔ ہنگامی صلح نامہ پر دستخط ہوئے۔ اس ہنگامی معاہدۂ صلح میں ترکی کے لئے یہ شرائط تھیں:

(1) اپنی تمام افواج برخاست کرے گا۔

(2) ترکی کے جنگی جہاز فاتحین ضبط کریں گے۔

(3) ملک کی ریلوے کی نگرانی اور ان پر تصرف کا حق اتحادیوں کا ہوگا۔

(4) ایشیائے کوچک اور عرب میں سرحدوں کے تعین کے علاوہ اندرون ملک کا انتظام ترکیہ ہی کے اختیار میں رہے گا۔

مسلمانانِ ہند پر اثر

دنیا میں جہاں کہیں مسلمان تھے' ترکیہ کی اس مصیبت کو عالمِ اسلامی کی مصیبت سمجھ رہے تھے اور نہایت پریشان اور سراسیمہ تھے' لیکن سب سے زیادہ ہندوستان کے مسلمان۔ اس کی کوئی وجوہ تھیں۔ وہ ڈیڑھ سو برس سے انگریزوں کی محکومی میں مبتلا تھے' اس لئے اس سے واقف تھے کہ محکومی کے مصائب و نقصانات کیا ہیں۔ برطانیہ کے وعدوں پر اعتماد کر کے انہوں نے اس جنگ میں اُس کی پوری مدد کی تھی اور اسلامی تعلیمات کے خلاف مسلمان ترکوں اور خلیفہ کے مقابلے میں وہ اُس کی طرف سے لڑے تھے' اور اب یہ خوابِ شیریں خوابِ پریشاں ثابت ہو رہا تھا کہ کبھی مسلمان متحد ہو کر' خلیفۃ المسلمین کی قیادت میں دنیائے اسلام کو یورپ کے تسلط سے آزاد کرائیں گے۔

کیا کسی نے ہندوستان کے عام مسلمانوں میں پان اسلامزم (اتحادِ اسلامی) کا پروپیگنڈا کیا تھا؟ کیا کسی نے اُن کو یہ اونچی سیاست سمجھائی تھی کہ خلافت کے خاتمے کے بعد اسلام کی مرکزیت ختم ہو جائے گی اور مسلمان عالمی امور میں کسی متحدہ اقدامی عمل کے قابل نہ رہیں گے؟ نہیں۔ مسلمانوں کے پاس نہ اخبارات تھے' نہ انجمن تھی' نہ رہنما تھے۔ 1906ء میں آل انڈیا مسلم لیگ قائم ہوئی تھی اور ابھی عوام تک نہیں پہنچی تھی۔ مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی' دونوں بھائی 1912ء سے سامنے آئے تھے اور 1914ء سے نظر بند تھے۔ دو دو تین تین ورق کے چند اردو اخبارات نکل رہے تھے جن پر زمانۂ جنگ میں یہ پابندی عائد تھی کہ اِن مسائل پر کچھ نہ لکھیں' جو جنگ سے متعلق ہوں۔ ان کی استطاعت سے یہ باہر تھا کہ ترکوں کی اور خلافت کی حمایت میں دنیا کے مسلمانوں اور ہندوستان کے مسلمانوں کو مضطرب و بے قرار کر دیں۔ کل مومن اخوۃ' قرآن کا یہ سبق مسلمانوں کی فکر پر چھایا ہوا تھا۔ یہ اُن کو بتانے کی ضرورت نہیں تھی کہ مسلمانوں کو مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی ہونی چاہئے۔ جس اسلامی فکر کے تقاضے سے محمد علی' شوکت علی اور حسرت موہانی اپنی جانوں پر کھیلنے کے لئے آمادہ ہوئے' وہی ہر عام مسلمان کے دل میں کام کر رہی تھی۔

محمد علی اور شوکت علی ابھی نظر بند ہی تھے کہ ہنگامی صلح نامہ کا اعلان ہوا۔ انگریزوں نے قسطنطنیہ پر ظالمانہ فوجی قبضہ کیا۔ فاتح فوج کے لوگوں کو نجی سکونتی مکانات تک پر تصرف حاصل ہو گیا۔ موصل پر انگریزوں نے جارحانہ اقدام کیا۔ اس پر ہندوستان میں جا بجا احتجاجی جلسے ہوئے' جن میں قابلِ ذکر جلسے یہ ہیں:

مدارس میں سیٹھ یعقوب حسن کے زیرِ صدارت (17 جنوری 1919ء)

لکھنؤ میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے زیرِ صدارت (26 جنوری 1919ء)

آل انڈیا مسلم کانفرنس' لکھنؤ سر ابراہیم ہارون جعفر کے زیرِ صدارت (22 ستمبر 1919ء)

دہلی میں فضل الحق کی صدارت میں (22 نومبر 1919ء)

لکھنؤ کی مسلم کانفرنس میں اس خیال پر گفتگو ہوئی کہ خلافت' حرمین شریفین اور مقاماتِ مقدسہ کے تحفظ کے لئے کوئی مستقل نظام ہونا چاہئے۔ بمبئی کے نمائندوں نے یہ اطلاع دی کہ بمبئی کے سیٹھوں نے بمبئی میں "مجلس خلافت" کے نام سے کوئی انجمن قائم کی ہے۔ اس کو آل انڈیا انجمن قرار دے دیا جائے' بالآخر یہ طے ہوا کہ یہ "آل انڈیا سنٹرل خلافت کمیٹی" قائم کی جائے' جس کا مرکز بمبئی میں ہو۔ کانفرنس میں اس مفہوم کی قرارداد منظور ہوئی اور خلافت کمیٹی قائم ہو گئی۔ سیٹھ چھوٹانی خلافت کمیٹی کے صدر اور حاجی صدیق کھتری سیکرٹری منتخب ہوئے۔ نظر بندی سے رہائی کے بعد صدیق کھتری کی جگہ مولانا شوکت علی سیکرٹری ہو گئے۔

خلافت کانفرنس کا پہلا جلسہ

لکھنؤ پیکٹ (1916ء) کے بعد اگرچہ ہندو مسلم فسادات بھی ہوئے' لیکن مسلمانوں اور ہندوؤں کا مجموعی رجحان میل ملاپ اور یگانگت ہی کی طرف تھا۔ رولٹ ایکٹ کے خلاف عوامی احتجاج اور جلیانوالہ باغ' امرتسر کی فائرنگ نے اُن دونوں قوموں کو اور زیادہ قریب کر دیا تھا۔ اظہارِ خلوص کے معاملے میں مسلمان بہت پُرجوش واقع ہوئے ہیں۔ سوامی شردھانند کو انہوں نے محض اس کے انعام میں جامع مسجد دہلی کے منبر پر کھڑا کر کے تقریر کرائی تھی کہ اس نے ستیہ گرہ کے جلوس میں انگریز فوجیوں کی رائفلوں کے سامنے اپنا سینہ پیش کیا تھا۔ ہندو اس سے بہت خوش تھے کہ رولٹ ایکٹ کے عوامی احتجاج میں' اس کے باوجود کہ اُس کے لیڈر مسٹر گاندھی ہیں' مسلمان پورا ساتھ دے رہے ہیں' جن لوگوں نے ستیہ گرہ کے معاہدے پر ابتدا دستخط کئے تھے' اُن میں یہ مسلمان بھی تھے مولانا ابوالکلام آزاد' حکیم اجمل خان' عباس طیب جی' مسٹر عمر سوبانی' ڈاکٹر انصاری' مولانا حسرت موہانی' سیٹھ یعقوب حسن' چودھری خلیق الزمان۔ اس طرح مسلمان اور ہندو خاصے قریب آ گئے تھے۔

خلافت کانفرنس کا پہلا اجلاس 24 نومبر 1919ء کو دہلی میں فضل الحق کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں بہت سے ہندو شریک ہوئے۔ بڑے لیڈروں میں مسٹر گاندھی' پنڈت موتی لال نہرو اور پنڈت مدن موہن مالوی بھی تھے۔ مسٹر فضل الحق نے اپنے خطبۂ صدارت میں دوبارہ اسی پر زور دیا کہ خلافت کے مسئلے میں ہندوستان کی غیر مسلم آبادی کی حمایت حاصل کی جائے۔ کانفرنس کی قراردادوں میں مشہد مقدس اور دوسرے مقامات مقدسہ میں اتحادی افواج کی چیرہ دستیوں اور مظالم پر احتجاج کیا گیا۔ مسلمانوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ جشنِ صلح میں شریک نہ ہوں اور اس کے خلاف جلسے کریں۔ اگر صلح کانفرنس کا فیصلہ مسلمانوں کی منشاء کے خلاف ہو تو ولایتی مال کا بائیکاٹ کیا جائے۔ مسٹر گاندھی اور دوسرے ہندو لیڈروں کا اس پر شکریہ ادا کیا گیا کہ انہوں نے خلاف کے مسئلے میں مسلمانوں کے ساتھ اشتراکِ عمل منظور کیا۔ بائیکاٹ کی قرارداد کی مسٹر گاندھی نے یہ کہہ کر مخالفت کی کہ بائیکاٹ صحیح حل نہیں ہے۔ مولانا حسرت موہانی نے بائیکاٹ پر اصرار کیا اور کہا کہ ہم ستیہ گرہ نہیں ہیں۔ بائیکاٹ کی قرارداد دوسرے روز منظور ہو گئی۔

بعد میں خلافت کانفرنس کا ایک خاص اجلاس منعقد ہوا' جس کی صدارت مسٹر گاندھی نے کی۔ اس اجلاس کے لئے مسٹر آصف علی نے دعوت نامہ جاری کیا۔ انہوں نے دعوت نامے میں یہ لکھ دیا کہ مسئلہ خلافت کے ساتھ ترک گاؤ کشی کا مسئلہ بھی طے کر لیا جائے گا۔ یہ سوامی شردھانند کو جامع مسجد منبر پر لے جانے سے بھی زیادہ بری حرکت تھی۔ مسٹر گاندھی سمجھ دار آدمی تھے۔ وہ جانتے تھے کہ گائے کے ذبیحہ کے ترک کا مسئلہ اتنا آسان نہیں کہ کانفرنس کے دعوت نامے میں اسے لکھ دیا اور وہ حل ہو گیا۔ انہوں نے ہوشیاری کے ساتھ اس سے ہندوؤں کی عالی حوصلگی کے مظاہرے کا کام لیا۔ انہوں نے اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا:

ہم ہندو اپنی روایات پر اعتماد کر کے' اس کو عزت کی بات نہیں سمجھتے کہ ایک مذہبی معاملے میں اپنی ہمدردیاں پیش کرنے کے عوض کوئی چیز لیں۔ اگر یہاں کوئی ایسے ہندو ہیں جو اپنے دل میں یہ خیال لے کر آئے ہیں تو ان کو چاہئے کہ اس کو دل سے نکال دیں"۔

(جاری ہے)

عید قربان اور اُسوہ ابراہیمیؑ

قرآن کی روشنی میں

بانیٔ تنظیم ڈاکٹر اسرار احمد کے مضمون کی تلخیص: وسیم احمد

سب جانتے ہیں کہ حج اور عید الاضحیٰ دونوں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شخصیت ہی کے گرد گھومتے ہیں جن کی تعظیم وتکریم روئے زمین کے بسنے والوں کی دو تہائی تعداد کرتی ہے اور ان دونوں کے مراسم ومناسک ان کی حیات طیبہ کے بعض واقعات کی یادگار ہی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے طویل سفرِ حیات کا لب لباب اگر ایک لفظ میں بیان کیا جائے تو وہ ہے: ''امتحان وآزمائش'' جس کے لئے قرآن حکیم کی اپنی جامع اصطلاح ''ابتلاء'' ہے۔ چنانچہ سورۃ البقرہ میں ان کی پوری داستان حیات کو ان چند الفاظ میں سمو دیا گیا ہے ''اور جب آزمایا ابراہیمؑ کو اس کے رب نے بہت سی باتوں میں تو اس نے ان سب کو پورا کر دکھایا۔'' سورۃ الملک کی ابتدائی آیات میں فرمایا: ''وہ جس نے پیدا کیا موت اور زندگی کو کہ تمہیں آزمائے کہ کون ہے تم میں سب سے اچھا عمل کے اعتبار سے۔'' بقول علامہ اقبال۔

قلزمِ ہستی سے تو اُبھرا ہے مانندِ حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحان ہے زندگی!

اور انسان کی فلاح وکامیابی کا دارومدار اس پر ہے کہ وہ اپنے خالقِ حقیقی اور پروردگارِ حقیقی کی معرفت حاصل کرے اور اس کی محبت سے سرشار ہو جائے' جو گویا امتحان ہے اس کی عقل وخرد کا اور آزمائش ہے اس کے قلب سلیم اور فطرت سلیمہ کی ___ اور پھر پورے عزم واستقلال اور صبر وثبات کے ساتھ قائم ومستقیم رہے اس کی اطاعت کلی اور فرمان برداری کامل پر جو کہ گویا امتحان ہے اس کے عزم اور حوصلے کا اور آزمائش ہے اس کی سیرت کی پختگی اور کردار کی مضبوطی کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی سب سے پہلے اسی عقل سلیم اور فطرت سلیمہ کے امتحان سے سابقہ پیش آیا۔ انہوں نے ایک ایسے ماحول میں آنکھ کھولی جس میں ہر طرف کفر اور شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھائے ہوئے تھے اور کہیں مجسموں اور مورتیوں کی پوجا ہو رہی تھی تو کہیں ستاروں اور سیاروں کو پوجا جا رہا تھا۔ اس ماحول میں آنکھ کھولنے اور پرورش پانے والے نوجوان نے جب یہ نعرہ لگایا کہ ''میں نے تو اپنا رخ پھیر دیا اس ذات کی طرف جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو ہر طرف سے یکسو ہو کر اور میں ہرگز اس کے ساتھ شرک کرنے والا نہیں۔'' (الانعام: 79) تو کیا آسمان اور زمین وجد میں نہ آ گئے ہوں گے اور کون ومکان میں ہلچل نہ مچ گئی ہوگی۔ بقول علامہ اقبال۔

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے!

> حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت کے بعد کی پوری زندگی مسلسل مسافرت ومہاجرت کی داستان ہے۔ آج شام میں ہیں تو کل مصر میں' پرسوں شرق اردون میں ہیں تو اگلے روز حجاز میں۔ کوئی فکر ہے تو صرف اس کی اور دھن ہے تو محض یہ کہ توحید کا کلمہ سربلند ہو اور دعوت توحید کے جا بجا مراکز قائم ہو جائیں۔

عقل وفطرت کی اس آزمائش اور معرفت رب کے اس امتحان میں کامیابی کے فوراً بعد ''استقامت'' کی جانچ پرکھ کا ایک طویل اور جاں گسل سلسلہ شروع ہو گیا' جس میں ہر لحظہ امتحان تھا' ہر آن ابتلاء۔ ایک جانب ایک نوجوان تھا اور دوسری جانب پوری سوسائٹی اور پورا نظام۔ گویا ''کشاکشِ خس و دریا'' کا دیدنی نظارہ! عزم وہمت کا وہ کون سا امتحان تھا جو اسے پیش نہ آیا! صبر وثبات کی وہ کون سی آزمائش تھی جس سے وہ دوچار نہ ہوا۔ حوصلہ تحمل وبرداشت اور جذبہ ایثار وقربانی کی جانچ پرکھ کا وہ کون سا طریقہ تھا جو اس پر آزمایا نہ گیا۔ گھر سے وہ نکالا گیا' معبد میں اس پر دست درازی ہوئی' سرعام اس پر ہجوم کیا گیا' دربار میں اس کی پیشی ہوئی اور آگ میں وہ ڈالا گیا۔ بقول شاعر

اس راہ میں جو سب پہ گزری ہے سو گزری
تنہا پسِ زنداں کبھی رسوا سرِ بازار!
گرجے ہیں بہت شیخ سرِ گوشۂ منبر
کڑکے ہیں بہت اہلِ حکم برسرِ دربار

> حضرت ابراہیمؑ کے طویل سفرِ حیات کا لب لباب اگر ایک لفظ میں بیان کیا جائے تو وہ ہے: ''امتحان وآزمائش'' جس کے لئے قرآن حکیم کی اپنی جامع اصطلاح ''ابتلاء'' ہے۔

لیکن نہ کبھی اس کے جوش اور ولولے میں کوئی کمی پیدا ہوئی' نہ پائے ثبات میں کوئی لغزش! باپ سے ''وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا'' کی غیظ آمیز جھڑکی کھا کر بھی وہ پورے ادب واحترام اور پورے حلم ووقار کے ساتھ یہ کہتا ہوا رخصت ہوا: ''تم پر سلامتی ہو! میں اپنے پروردگار سے تمہارے لئے معافی کی درخواست کروں گا' حقیقتاً وہ مجھ سے بڑا مہربان ہے اور میں اعلانِ برأت کرتا ہوں تم سب سے بھی اور ان سے بھی جنہیں تم خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو اور میں تو پکاروں گا صرف اپنے پروردگار ہی کو......! مجھے یقین ہے کہ میں اس کو پکار کر بے نصیب نہ رہوں گا۔'' (سورۃ المریم: 47-48) دربار میں پیشی ہوئی تو

نہ لا وسواس دل میں جو ہیں تیرے دیکھنے والے
سرِ مقتل بھی دیکھیں گے چمن اندر چمن ساقی!

کے مصداق خدائے واحد وقہار کے پرستار نے دنیوی شان وشوکت' جاہ وجلال اور دبدبے اور طنطنے کو ذرہ بھر بھی خاطر میں نہ لاتے ہوئے شہنشاہِ وقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اعلان کیا: ''میرا رب وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔'' (البقرہ: 258) اور جب ربوبیت والوہیت کے مدعی مغرور نے مناظرانہ رنگ میں کہا: ''مجھے بھی زندہ رکھنے یا مار دینے کا اختیار حاصل ہے۔'' تو پوری جرأت رندانہ اور شانِ بے باکانہ کے ساتھ ترکی بہ ترکی جواب دیا ''تو اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے (تجھ میں کچھ الوہیت ہے) تو تُو اسے مغرب سے طلوع کر کے دکھا۔'' (البقرہ: 258) نتیجتاً اس کافر مردود نمرود کے پلے سوائے مرعوبی ومبہوتی کے اور کچھ نہ رہا اور پھر جب پوری قوم' پوری سوسائٹی اور پورے نظام باطل نے اپنی شکست پر جھنجلا کر اسے آگ کے ایک بڑے الاؤ میں ڈالنے اور جلا کر راکھ کر دینے کا فیصلہ کیا تب بھی اس کے عزم اور ارادے میں کوئی تزلزل نہ آیا اور عشق کی اس بلند پروازی پر وہ عقل بھی انگشت

بدنداں رہ گئی جس نے ابتداً اسے خود ہی اس راہ پڑ ڈالا تھا۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی!

اور جب خدائے علیم وقدیر نے اسے آگ سے معجزانہ طور پر زندہ وسلامت نکال لیا تو اس نے یہ کہتے ہوئے کہ: ''میں اپنے رب کی طرف ہجرت کر رہا ہوں' یقیناً وہ مجھے راہ یاب کرے گا۔'' (الصافات: 99) گھر بار اور ملک ووطن سب کو خیر باد کہا اور آباء واجداد کی سرزمین کو باحسرت ویاس دیکھتا ہوا وہ ان دیکھی منزل کی جانب روانہ ہوگیا' تاکہ صرف خدائے واحد کی پرستش کر سکے اور محض اسی کے نام کا کلمہ پڑھ سکے! حالانکہ اب زندگی کے اس دور کا آغاز ہو چکا تھا جس میں جوانی کا زور ٹوٹتا ہوا محسوس ہونے لگتا ہے اور بڑھاپے کے آثار شروع ہو جاتے ہیں۔ بقول حالی

ضعفِ پیری بڑھ گیا' جوشِ جوانی گھٹ گیا
اب عصا بنوایئے نخلِ تمنا کاٹ کر

حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت کے بعد کی پوری زندگی مسلسل مسافرت ومہاجرت کی داستان ہے۔ آج شام میں ہیں تو کل مصر میں' پرسوں شرق اردون میں ہیں تو اگلے روز حجاز میں۔ کوئی فکر ہے تو صرف اس کی اور دھن ہے تو محض یہ کہ توحید کا کلمہ سربلند ہو اور دعوت توحید کے جا بجا مراکز قائم ہو جائیں۔ اپنی ان کوششوں میں وہ اس بوڑھے باغبان سے نہایت گہری مشابہت رکھتے ہیں جو جا بجا اپنے لئے نہیں بلکہ آنے والی نسلوں کے لئے باغ لگاتا پھر رہا ہو۔ جب بڑھاپے کے آثار کچھ زیادہ ہی طاری ہوتے محسوس ہوئے اور ادھر یہ نظر آیا کہ اولاد سے تا حال محرومی ہے' تو فکر دامن گیر ہوئی کہ میرے بعد اس مشن کو کون سنبھالے گا۔ وطن سے ایک بھتیجے نے ان کے ساتھ ہجرت کی تھی جسے شرقِ اردون میں دعوت توحید کی علم برداری سونپ دی تھی۔ اللہ سے دُعا کی ''پروردگار! نیک وارث عطا فرما۔'' (الصافات: 100) اور اللہ کی شان کی خالص معجزانہ طور پر ستاسی برس کی عمر میں اللہ نے ایک چاند سا بیٹا عطا فرما دیا اور وہ بھی ایسا جسے خود اللہ نے ''غلام حلیم'' قرار دیا۔ جیسے جیسے بیٹا بڑا ہوتا گیا گویا بوڑھے باپ کا نخل تمنا دوبارہ ہرا ہوتا گیا۔ یہ اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں کہ کیسی جذباتی وابستگی بوڑھے باپ کو اس بیٹے سے ہوگی اور کیسی اُمیدیں اس نے اپنے دل میں اس کے ساتھ وابستہ کر لی ہوں گی۔ بیٹا برابر کا ہونے کو آیا تو گویا باپ کا دست وبازو بن گیا اور دونوں نے مل کر توحید کے عظیم ترین مرکز یعنی کعبۃ اللہ کی دیواریں اُٹھائیں' جسے قرآن نے ''اَلْبَیْتُ الْعَتِیْقِ'' بھی قرار دیا اور ''اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ'' کا مصداق بھی۔ یہ مقدس معمارانِ حرم جن جذبات کے ساتھ تعمیر کر رہے تھے ان کی عکاسی قرآن حکیم کی ان آیات میں بتمام کمال کی گئی ہے۔ ''اور جب ابراہیم اور اسماعیل (علیہما السلام) بیت اللہ کی دیواریں اُٹھا رہے تھے (تو کہتے جاتے تھے) پروردگار ہمارے! قبول فرما ہم سے (ہماری یہ خدمت)' یقیناً تو سب کچھ سننے والا بھی ہے اور سب کچھ جاننے والا بھی۔ اور اے رب ہمارے! بنائے رکھ ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار' اور اُٹھا ہماری اولاد میں سے ایک فرمانبردار اُمت۔''

(البقرہ: 127-128)

ادھر بوڑھا باپ اپنے جوان ہوتے ہوئے بیٹے کو دیکھ دیکھ کر جی رہا تھا' اُدھر قدرت مسکرا رہی تھی۔ اس کے ترکش امتحان میں ابھی ایک تیر باقی تھا' دل کو چھید جانے والا اور جگر سے پار ہو جانے والا تیر! گویا ابھی آخری آزمائش باقی تھی' محبت اور جذبات کی آزمائش' اُمیدوں' آرزوؤں اور تمناؤں کا امتحان۔ حکم ہوا اپنے بیٹے کو قربان کر دو۔ زمین پر سکتہ طاری ہوگیا' آسمان لرز اُٹھا' لیکن نہ بوڑھے باپ کے پائے ثبات میں کوئی لغزش پیدا ہوئی' نہ نوجوان بیٹے کے صبر وتحمل میں کوئی لرزش! دونوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ عین آخری لمحے پر رحمتِ خداوندی حکمتِ امتحان پر غالب آ گئی اور بوڑھے باپ کی امتحان میں کامیابی کا اعلان کر دیا گیا۔ بغیر اس کے کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح شدہ لاش فی الواقع اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ سورۃ الصافات میں کتنے قلیل الفاظ میں صورتِ حال کی مکمل تصویر کھینچ دی گئی ہے۔ ''تو جب وہ (بیٹا) اس (باپ) کے ساتھ بھاگ دوڑ کرنے کے قابل ہوا تو اس نے کہا: میرے بچے! میں خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں' تو تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا: ''ابا جان! کر گزریئے جو حکم آپ کو مل رہا ہے' آپ مجھے صابر ہی پائیں گے۔ پھر جب دونوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور اس نے اسے پیشانی کے بل پچھاڑ دیا تو ہم نے پکارا! ''اے ابراہیمؑ (بس کر) تو نے خواب پورا کر دکھایا۔ ہم اسی طرح جزا دیا کرتے ہیں نیکوکاروں کو۔ یقیناً یہ ایک بہت بڑی آزمائش تھی۔'' (الصافات 102 تا 106) گویا جس کا امتحان لیا جا رہا تھا اس نے ہمت نہ ہاری' ممتحن ہی کو بس کرنا پڑی۔ جس نے نہ صرف یہ کہ اس بیٹے کی جگہ مینڈھے کی قربانی بطور فدیہ قبول کر لی بلکہ اس کی یادگار کے طور پر ہمیشہ ہمیش کے لئے قربانی کا سلسلہ جاری فرما دیا۔ اس امتحان اور آزمائش کی ایک طویل داستان کمال کو پہنچی اور عقل وفطرت کی سلامتی اور سیرت وکردار کی پختگی کی کٹھن جانچ پرکھ اور جذبات واحساسات کے ایثار اور محبت کی قربانی کے مشکل امتحانات سے گزر کر اللہ نے اپنے برگزیدہ بندے کو امامت الناس کے منصب پر فائز کیا۔ ''سلام ہو ابراہیم پر! اسی طرح ہم بدلہ دیا کرتے ہیں نیکوکاروں کو' یقیناً وہ ہمارے صاحب یقین بندوں میں سے تھا۔'' (الصافات: 109-111) اور بقول علامہ اقبال۔

چوں می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را!

گویا یہ ہے ایک سچے مسلمان کی زندگی کی ایک کامل تصویر اور ''ایمان حقیقی'' کی صحیح تعبیر بقول مولانا محمد علی جوہر۔

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا!

سورۃ الحج میں حج کے دو ہی بنیادی ارکان کا ذکر ہے ایک اللہ کے نام پر جانوروں کی قربانی اور دوسرے طواف بیت اللہ' اور ان میں سے بھی زیادہ زور اور تکرار قربانی پر ہی ہے۔ ''اور ہر اُمت کے لئے مقرر کر دیا ہے ہم نے قربانی کا سلسلہ' تاکہ لیں نام اللہ کا اور ان چوپایوں کو ذبح کرتے ہوئے جو عطا کئے ہیں ہم نے ان کو۔'' (الحج: 34) ہمیں اپنے اعمال کا جائزہ لینا چاہئے کہ جس طرح ہم نے دین کے دوسرے تمام حقائق کو محض رسموں میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے' جس کا مرثیہ علامہ اقبال نے اس شعر میں کیا تھا کہ

رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالیؓ نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالیؒ نہ رہی!

اسی طرح قربانی کی روح بدقسمتی سے ہماری عظیم اکثریت کے عمل ہی سے نہیں وہم وخیال سے بھی غائب ہو چکی ہے اور اب اس کی حیثیت بعض کے نزدیک محض ایک

(باقی صفحہ 18 پر)

> آخری آزمائش باقی تھی' محبت اور جذبات کی آزمائش' اُمیدوں' آرزوؤں اور تمناؤں کا امتحان۔ حکم ہوا اپنے بیٹے کو قربان کر دو۔ زمین پر سکتہ طاری ہوگیا' آسمان لرز اُٹھا' لیکن نہ بوڑھے باپ کے پائے ثبات میں کوئی لغزش پیدا ہوئی' نہ نوجوان بیٹے کے صبر وتحمل میں کوئی لرزش! دونوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

> عید قربان پر جب اللہ کے لئے ایک بکرا یا دنبہ ذبح کریں تو ساتھ ہی عزم مصمم کر لیں کہ اپنا تن' من' دھن اس کی رضا پر قربان کر دیں گے۔

اسلامی تہذیب

اردو کے عظیم ادیب منشی پریم چند کی ایک چشم کشا تحریر

جس کسی غیر مسلم نے اسلام کا مطالعہ کیا' وہ اس کا گرویدہ ہو گیا۔ بڑے بڑے کارلائل' برنارڈ شا' مارکس' ویلز' واٹ وغیرہم نے اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کو عقیدت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ خصوصاً ہندو شعراء تو نعت گوئی میں بہت نمایاں ہیں۔ یہاں ''اسلامی تہذیب'' کی منفرد و امتیازی خصوصیات کے بارے میں منشی پریم چند کے ایک مضمون کی تلخیص پیش کی جا رہی ہے جو ہفتہ وار ''پرتاپ'' کے دسمبر 1925ء کے شمارے میں چھپا تھا۔ منشی صاحب اردو اور ہندی کے بہت بڑے افسانہ نگار اور ناول نویس ہیں۔ ابتدا میں وہ گاندھی جی کے نظریات کے زیر اثر بڑے کٹر ہندو پرست تھے اور اسلام کے خلاف مضامین لکھتے رہتے تھے۔ بعد میں جب اسلام اور رسول کریم ﷺ کی حیات طیبہ کا مطالعہ کیا تو اسلام دوست ہو گئے' جس کے ثبوت میں یہ مضمون بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔ یہ مضمون ہندی زبان میں ''اسلامی سبھیتا'' کے نام سے چھپا تھا۔ اب اس کا اردو ترجمہ محمد محی الدین خان صاحب نے کیا ہے اور ''مدھر سندیش سنگم'' جامعہ نگر' نئی دہلی نے کتابچے کی صورت میں شائع کیا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ منشی صاحب نے یہ تحریر ہندوؤں کو مخاطب کر کے لکھی ہے' اور اسلامی تہذیب کے گن گا کر ہندو بھائیوں کو تلقین کی ہے کہ وہ مسلمانوں سے تعصب برتنے کی بجائے اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ ''ندائے خلافت'' میں مترجم اور ناشر دونوں کے شکریے کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ (مدیر)

ہندو اور مسلمان دونوں ایک ہزار برس سے ہندوستان میں رہتے چلے آ رہے ہیں' لیکن ابھی تک ایک دوسرے کو سمجھ نہیں سکے۔ ہندو کے لئے مسلمان ایک راز ہے اور مسلمان کے لئے ہندو ایک معما۔ نہ ہندو کو اتنی فرصت ہے کہ اسلام کے حقائق کی چھان بین کرے' نہ مسلمان کو اتنا موقع کہ ہندو دھرم کے حقائق کے سمندر میں غوطے لگائے۔ دونوں ایک دوسرے کے اندر بے سروپا باتوں کا تصور کر کے سر پھٹول پر آمادہ رہتے ہیں۔ ہندو سمجھتا ہے کہ دنیا بھر کی برائیاں مسلمانوں میں بھری ہوئی ہیں' ان میں رحم ہے نہ دھرم' خوش اخلاقی ہے نہ صبر و ضبط۔ مسلمان سمجھتا ہے کہ ہندو پتھروں کو پوجنے والا' گردن میں دھاگے ڈالنے والا' ماتھا رنگنے والا اور دال بھات کھانے والا حیوان ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے سایہ سے بچتے ہیں اور دونوں فرقوں میں جو بڑے بڑے مذہبی پیشوا ہیں وہ اس بھید بھاؤ میں سب سے آگے ہیں' گویا دشمنی اور مخالفت ہی مذہب کی مخصوص علامت ہے۔ ہم اس وقت ہندو مسلم منافرت پر کچھ نہیں کہنا چاہتے۔ مولانا شوکت علی کے ساتھ ہمارا بھی یہ یقین ہے کہ یہ حالت عارضی ہے اور وہ وقت دور نہیں ہے جب ہندو اور مسلمان دونوں اپنی غلطی پر پشیمان ہوں گے اور اگر انسانیت اور شرافت سے ترغیب پا کر نہیں تو خود حفاظتی کے لئے متحد ہونا ضروری سمجھیں گے۔

ہم اس وقت صرف یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کی تہذیب کے بارے میں ہندوؤں کا جو نظریہ ہے' وہ کہاں تک مبنی بر انصاف ہے۔

تہذیب کے تین نمونے

پرانے زمانے میں کسی قوم کی دین داری اور نیک عملی ہی اس کی تہذیب کی شناخت ہوتی تھی۔ خدمت اور قربانی ہی تہذیب کا خاص حصہ تھی۔ چین' جاپان' بھارت' مصر کسی بھی ملک کی قدیم تہذیب کو لیجئے' آپ اسے باذہب پائیں گے' گرچہ اب بھی وہی نمونہ مقدم ہے لیکن اس میں حالات نے تھوڑی تبدیلی کر دی ہے یا یوں کہئے کہ اس کی ہیئت تبدیل کر دی گئی ہے۔ انقلاب فرانس نے تہذیب و تمدن کا جو نمونہ قائم کیا وہ عدل و انصاف' اخوت اور مساوات ان تین بنیادوں پر قائم ہے۔ ذرا غور سے دیکھئے تو جدید و قدیم نمونوں میں کوئی خاص فرق نہیں رہ جاتا' لیکن ہم جدید تہذیب کا جائزہ لے رہے ہیں' اس لئے جدید کسوٹیوں کو عمل میں لانا ہی مناسب ہوگا۔

عدل و انصاف

سب سے پہلے عدل و انصاف کو لیجئے۔ جہاں تک ہم جانتے ہیں کسی مذہب نے عدل و انصاف کو اتنی فوقیت نہیں دی' جتنی اسلام نے۔

عیسائی مذہب میں رحم پر زور دیا گیا ہے۔ رحم میں چھوٹے بڑے' اونچ نیچ' طاقتور کمزور کا مفہوم پوشیدہ رہتا ہے۔ جہاں عدل و انصاف ہوگا وہاں یہ تفریق ہو ہی نہیں سکتی اور وہاں رحم کا کوئی مطلب ہی نہیں رہ جاتا' کم از کم انسانوں کے لئے نہیں' دیگر مخلوقات پر ہی اس کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ ہندو دھرم عدم تشدد کا علم بردار ہے اور تہ تک جائیں تو عدل و انصاف اور عدم تشدد دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ عدم تشدد کے بغیر عدل کا اور عدل کے بغیر عدم تشدد کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ہم یہ مانتے ہیں کہ مسلمانوں نے ناانصافیاں کی ہیں۔ مذہب کے نام پر عدل و انصاف کو پیروں سے خوب روندا ہے' لیکن کیا ہندوؤں نے عدم تشدد کے علم بردار ہوتے ہوئے تشدد کے جھنڈے نہیں گاڑ دیئے' یہاں تک کہ بودھ اور جین بادشاہوں نے عدم تشدد کو مذہب کی خاص علامت مانتے ہوئے مذہب کے نام پر خون کی ندیاں نہیں بہائیں؟ کسی مذہب کی عظمت کو انسانوں کے اعمال سے نہیں جانچنا چاہئے۔ دیکھنا یہ چاہئے کہ مذہب کے پیشوا اور بانی نے کیا ہدایت دی ہے۔

حضرت محمد ﷺ نے مبلغین دین کو اسلام کی تبلیغ کے لئے مختلف ممالک میں بھیجتے ہوئے یہ ہدایت فرمائی تھی:

''جب تم سے لوگ پوچھیں کہ جنت کی کنجی کیا ہے تو کہنا کہ وہ خدا کی بندگی اور کار خیر میں پوشیدہ ہے''۔

حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات کے پہاڑ پر حضرت محمد ﷺ کی زبان سے جس حیات بخش پیغام کی بارش ہوئی تھی' وہ ہمیشہ ہمیش اسلامی زندگی کے لئے آب حیات کا کام

کرتی رہے گی اور اس پیغام کا جوہر کیا تھا؟ عدل و انصاف۔ اس کے ایک ایک لفظ سے صدائے عدل و انصاف گونج رہی ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

''اے مؤمنو! میری باتیں سنو اور انہیں سمجھو' تمہیں معلوم ہو کہ سب ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ تمہاری ایک ہی برادری ہے' ایک بھائی کی چیز دوسرے بھائی پر کبھی حلال نہیں ہو سکتی' جب تک کہ وہ خوشی سے نہ دے دی جائے۔ ناانصافی کبھی مت کرو' اس سے ہمیشہ بچتے رہو''۔

اس پیغامِ جاوداں میں اسلام کی روح پوشیدہ ہے۔ اسلام کی بنیاد عدل و انصاف پر مبنی ہے۔ وہاں بادشاہ اور فقیر' امیر اور غریب کے لئے فقط ایک انصاف ہے' کسی کے ساتھ رعایت نہیں' کسی کی طرفداری نہیں۔ ایسی سینکڑوں روایات پیش کی جا سکتی ہیں جہاں بے کسوں نے بڑے بڑے طاقتور حاکموں کے مقابلے میں انصاف کے زور سے فتح پائی ہے۔ ایسی مثالوں کی بھی کمی نہیں ہے جہاں بادشاہوں نے اپنے شہزادے' اپنی بیگم یہاں تک کہ اپنی ذات کو انصاف کی چوکھٹ پر قربان کر دیا ہے۔

دنیا کی کسی مہذب سے مہذب قوم کے اصولِ عدل کا اسلامی اصولِ عدل سے موازنہ کیجئے' آپ اسلام کا پلڑا بھاری پائیں گے۔ زوال پذیر ہونے پر سبھی قوموں کے اقدار میں بگاڑ رونما ہو جاتا ہے۔ اس میں ہندو' مسلمان' عیسائی کسی کی قید نہیں۔ آج ہم مسلمان کو تعصب سے بھرا ہوا پاتے ہیں' لیکن جن دنوں اسلام کا پرچم کنگ سے لے کر ڈینیوشش تک اور ترکستان سے لے کر اسپین تک لہراتا تھا' مسلمان بادشاہوں کی مذہبی رواداری تاریخ میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔ اعلیٰ سرکاری عہدوں پر غیر مسلموں کی تقرری تو عام بات تھی۔ یونیورسٹیوں کے چانسلر تک عیسائی اور یہودی ہوتے تھے۔ اس عہدے کے لئے صرف صلاحیت اور قابلیت کی شرط تھی' مذہب سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ہر تعلیم گاہ کے دروازہ پر یہ الفاظ کندہ ہوتے تھے:

''زمین کا انحصار صرف چار چیزوں پر ہے: دانشوروں کا علم و فہم' شرفاء کی عبادت الٰہی' بہادروں کی بہادری اور طاقت وروں کی عدل پسندی''۔

مساوات:

اب تہذیب کے دوسرے حصہ کو لیجئے۔ بلاشبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس معاملے میں اسلام نے دیگر تمام تہذیبوں کو بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ وہ نظریات جن کا سہرا اب کارل مارکس اور روسو کے سر باندھا جا رہا ہے' درحقیقت عرب کے ریگستان میں وجود میں آئے تھے اور ان کا بانی عرب کا وہ اُمّی تھا جس کا نام محمد ﷺ ہے۔ محمد ﷺ کے سوا دنیا میں کون ایسا مذہبی پیشوا ہوا ہے جس نے خدا کے سوا کسی انسان کے سامنے سر جھکانا گناہ ٹھہرایا ہو؟ محمد ﷺ کے بنائے ہوئے سماج میں بادشاہ کا کوئی مقام ہی نہیں تھا۔ حکومت کا کام کرنے کے لئے صرف ایک خلیفہ کا نظم کر دیا گیا تھا جسے قوم کے کچھ معزز لوگ منتخب کر لیں۔ اس ضابطہ سے انہوں نے اپنے آپ کو بھی مستثنیٰ نہیں رکھا اور اپنے چچازاد بھائی اور داماد حضرت علیؓ کو خلیفہ نہیں بنایا' حالانکہ آپ کا اثر اتنا تھا کہ صرف ایک اشارے پر حضرت علیؓ کا انتخاب ہو سکتا تھا۔ اور اس منتخب خلیفہ کے لئے کوئی وظیفہ' کوئی تنخواہ' کوئی جاگیر کوئی رعایت نہیں تھی۔ یہ منصب صرف اعزاز کا تھا۔ اپنی روزی کے لئے خلیفہ کو بھی دوسروں کی طرح محنت مزدوری کرنی پڑتی تھی۔ ایسی ایسی عظیم شخصیات جو ایک بڑی سلطنت کا نظم و انصرام چلاتی تھیں' جن کے سامنے بڑے بڑے بادشاہ ادب سے سر جھکاتے تھے' جن کے ایک اشارے پر بادشاہتیں بنتی بگڑتی تھیں' جوتے سی کر یا قلمی کتابیں نقل کر کے یا بچوں کو پڑھا کر اپنی روزی حاصل کرتے تھے۔ خزانے میں آپ کا حصہ بھی وہی تھا جو ایک معمولی سپاہی کا تھا۔ کبھی کبھی مہمانوں کے آ جانے کے سبب انہیں بڑی تکلیف اٹھانی پڑتی تھی' فاقے کرنے پڑ جاتے تھے' گھر کی چیزیں فروخت کر دینی پڑتی تھیں' لیکن کیا مجال کہ اپنا حصہ بڑھانے کا خیال بھی دل میں آئے۔ دیگر قوموں میں پیشوائی کے رواج نے جتنے مظالم ڈھائے ہیں' ان سے تاریخ سیاہ ہو چکی ہے۔ عیسائی مذہب میں پادریوں کے سوا اور کسی کو انجیل پڑھنے کی آزادی نہ تھی۔ ہندو سماج نے بھی شودروں کی تخلیق کر کے اپنے سر کلنک کا ٹیکا لگا لیا' لیکن اسلام پر اس کا دھبہ تک نہیں۔ غلامی کا رواج تو اس وقت ساری دنیا میں تھا' لیکن اسلام نے غلاموں کے ساتھ جتنا بہتر سلوک کیا اس پر اسے فخر ہو سکتا ہے۔ اسلام قبول کرتے ہی غلام آزاد ہو جاتا تھا' یہاں تک کہ ایسے غلاموں کی کمی نہیں ہے جو اپنے مالک کے بعد اس کی گدی پر بیٹھے اور اس کی لڑکی سے نکاح کیا۔ اور کس سماج نے پست طبقات کے ساتھ یہ فراخ دلی دکھائی ہے؟ صنف نازک کے ساتھ تو اسلام نے جو سلوک کئے ہیں' ان کے مقابلے میں دیگر سماجوں کا سلوک غیر انسانی معلوم ہوتا ہے۔ کس سماج میں عورتوں کی جائداد میں اتنا حق تسلیم کیا گیا ہے جتنا اسلام میں؟ یوں عقل اور دولت کی نابرابری ہمیشہ رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی' لیکن اسلام نے سماج کے کسی طبقہ کے پیروں میں بیڑی نہیں ڈالی۔ وہاں ہر فرد حسب استطاعت فکری اور سماجی ترقی کر سکتا ہے۔ اس کے راستے میں کوئی کانٹا' کوئی رکاوٹ نہیں۔

ہمارے خیال میں وہی تہذیب عظیم ہونے کا دعویٰ کر سکتی ہے جو فرد کو زیادہ سے زیادہ ترقی کے مواقع فراہم کرے۔ اس لحاظ سے بھی اسلامی تہذیب کو کوئی ناقص نہیں ٹھہرا سکتا۔

اخوت

اب تہذیب کے تیسرے حصے کو لیجئے۔ اس معاملے میں بھی اسلام کسی دیگر قوم سے پیچھے نہیں ہے۔ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا:

''کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی بندوں کے لئے بھی وہی نہ چاہے جو وہ اپنے لئے چاہتا ہے''۔

ایک دوسری جگہ آپؐ نے فرمایا ہے:

''جو شخص دوسروں کا بھلا نہیں کرتا' خدا اس سے خوش نہیں ہوتا''۔

ان کا یہ قول سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے:

''خدا کی تمام مخلوق اس کا کنبہ ہے۔ اور وہی شخص خدا کا برگزیدہ ہے جو بندگانِ خدا کے ساتھ نیکی کرتا ہے''۔

کسی مؤمن نے ایک بار آپؐ سے پوچھا تھا:

''خدا کی بندگی کیسے کی جائے؟''

آپؐ نے جواب دیا:

''اگر تمہیں خدا کی بندگی کرنی ہے تو پہلے اس کے بندوں سے محبت کرو''۔

ان تعلیمات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کے مقننین نے اخوت کی اہمیت دیگر اقوام سے کم نہیں سمجھی۔

اسلام کی دیگر خوبیاں

یہ تو تہذیب کے بنیادی عناصر ہوئے۔ اس کے ثانوی اجزاء میں سیاسی دستور' علم دوستی' حبِّ آزادی' فنکاری' تعمیرات اور وضع قطع بھی شامل ہیں۔

سودی نظام نے دنیا میں جتنے بگاڑ پیدا کئے ہیں اور کر رہا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ اسلام وہ تنہا مذہب ہے جس نے سود کو حرام قرار دیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کاروباری نقطۂ نظر سے اس حرمت کی مخالفت کی جائے' لیکن معاشرتی نقطۂ نظر سے کوئی اس کی حمایت کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

علم دوستی میں تو شاید بہت کم قومیں مسلمانوں کی برابری کا دعویٰ کر سکتی ہیں۔ ہندوستان سے علمِ طب' ریاضی' علم نجوم' روحانیت' یونان سے فلسفہ اور جمہوریت' غرض جہاں جو گوہر ملا' اسلام نے دونوں ہاتھ پھیلا کر اپنایا اور اسے اپنی تہذیب کا حصہ بنا لیا۔

تعمیرات میں تو شاید دنیا کی کوئی قوم مسلمان سے ٹکر نہیں لے سکتی۔ جہاں جہاں اسلامی تہذیب کا پرچم لہرایا' ان کی تعمیر شدہ عمارتیں اب تک اپنے معماروں کی مدح سرائی کر رہی ہیں۔ آزادی سے ایسی سچی محبت شاید اور کہیں دیکھنے میں نہ آئے گی۔ آج کون ایسا نیک دل انسان ہے جو مٹھی بھر رفو کو یورپ کی دو عظیم طاقتوں سے برسرِ پیکار دیکھ

کر فخر محسوس نہ کرے۔ دمشق میں‘ شام میں‘ ترکی میں‘ مصر میں‘ جہاں دیکھئے مسلمان خود کو آزادی کی راہ میں قربان کر رہے ہیں۔ افغانستان محض آزادی پر نثار ہونے کے لئے آمادہ ہونے کے سبب آج آزاد بنا ہوا ہے۔ ہم تو یہاں تک کہنے کو تیار ہیں کہ اسلام میں عوام الناس کے لئے جتنی قوت و کشش ہے وہ کسی اور جماعت میں نہیں ہے۔ جب نماز پڑھتے وقت ایک مہتر خود کو شہر کے بڑے سے بڑے رئیس کے ساتھ ایک ہی صف میں کھڑا پاتا ہے تو کیا اس کے دل میں احساس فخر کی ترنگیں نہ اٹھنے لگتی ہوں گی؟ اس کے برعکس ہندو سماج نے جن لوگوں کو پست بنا دیا ہے‘ ان کو کوئیں کی منڈیر پر بھی نہیں چڑھنے دیتا‘ انہیں مندروں میں داخل نہیں ہونے دیتا۔ یہ اپنے میں ملانے کی نہیں‘ اپنے سے الگ کرنے کی علامتیں ہیں۔

اسلامی مذہب اور تہذیب کو دنیا میں جو کامیابی ملی ہے‘ وہ تلوار کے زور سے نہیں‘ اسی اخوت کے سبب ملی ہے۔ آج بھی افریقہ میں عیسائیوں کے مقابلے میں اسلام کی تشہیر زیادہ ہو رہی ہے‘ حالانکہ عیسائیوں کے پاس سبھی قسم کی ترغیبات ہیں اور یہاں فقط اللہ کا نام ہے۔

آخر میں ہم محبانِ سنگھٹن اور تنظیم سے یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ان سرگرمیوں سے آپ ہم دونوں اقوام کے درمیان ایک آہنی دیوار کھڑی کر رہے ہیں۔ اگر آپ مسلمانوں سے بگاڑ کئے بغیر اپنی قوم میں اتحاد قائم کر سکتے ہیں‘ بیواؤں‘ یتیموں اور اچھوتوں کو فلاح و بہبود سے ہمکنار کر سکتے ہیں تو شوق سے کیجئے۔ تنظیم میں بھی کوئی برائی نہیں ہے اگر وہ ہندوؤں سے بگاڑ کئے بغیر کی جا سکے۔ لیکن اب تک ہمیں جو تجربہ ہوا ہے‘ وہ صاف بتا رہا ہے کہ اندرونی اتحاد اور اندرونی تنظیم صرف خیالی جنت ہے۔ اندرونی اتحاد تو نہیں ہوتا‘ کیونکہ وہ عقیدت‘ محبت اور الفت کے جذبہ سے نہیں کیا جاتا۔ اندر جو لاکھوں برائیاں ہیں‘ وہ جوں کی توں بنی ہوئی ہیں‘ اس میں ذرہ برابر بھی اصلاح نہیں ہو سکی۔ اور دونوں قوموں میں دن بدن عداوت بڑھتی جاتی ہے۔ کم از کم اتنا تو ثابت ہو ہی گیا کہ جس رفتار سے ہندو مسلم اختلاف بڑھ رہا ہے‘ اس رفتار سے ہندوؤں کا اندرونی اتحاد نہیں بڑھ رہا ہے۔ ہمیں تو دن بدن اس میں جمود اور اُس میں چستی کے آثار دکھائی دے رہے ہیں۔ نتیجہ یہی ہوگا کہ نہ ہم متحد ہوں گے‘ نہ آزادی کی راہ پر ہی گامزن ہوں گے‘ اور ہماری حالت مسلسل خستہ ہوتی چلی جائے گی۔

ضرورت رشتہ

32 سالہ بی اے‘ سی ٹی‘ خوبصورت‘ خلع یافتہ‘ بیرون ملک مقیم خاتون کیلئے 35 تا 40 سالہ کنوارے یا رنڈوے (بغیر بچوں کے) دینی مزاج کے حامل مرد کا رشتہ درکار ہے۔

رابطہ: [illegible] فون: 042-7592511

جذباتِ صادقہ

—— مولانا حافظ محمد الیاس مرحوم ——

یہ رو کر میں نے اِک دن التجا کی — خداوندا! تیری رحمت کہاں ہے؟
مسلماں اس قدر مظلوم کیوں ہیں؟ — روا کیوں ان پر جورِ آسماں ہے؟
پریشاں حال ہیں پیر و جواں سب — یہ کیا ان پر بلائے ناگہاں ہے؟
سکوں ان کا تو عنقا ہو چکا تھا — مگر اب زندگی بارِ گراں ہے؟
اداسی شام بن کر چھا گئی ہے — وہ امیدوں کا دن ان کا کہاں ہے؟
کہاں گلشن میں نغمہ ریزیاں ہیں — زباں پہ اب تو بس آہ و فغاں ہے؟
جسے دیکھو وہی ہے کشتۂ غم! — نہ کوئی خوش نہ کوئی شادماں ہے؟
مصائب کی ہزاروں بجلیاں ہیں — مگر خرمن بس ان کا ہی مکاں ہے؟
اُدھر قبرص میں بھی ہے قافیہ تنگ — اِدھر کشمیر میں تنگ جہاں ہے؟
فلسطینی مہاجر دل بگریاں — یہاں بھارت میں مسلم نوحہ خواں ہے
بہار ان پر نہیں آتی ہے کہیں سے — مسلط ہو چکی اُن پر خزاں ہے
خداوندا تو ان پر رحم کر دے — ترا دریائے رحمت بیکراں ہے
ہے ارفع وہم کی پرواز سے تو — مگر پھر بھی ہر اک شے میں عیاں ہے

ندا

ندا آئی کہ پہنچی تیری آواز — کہ اس میں سوز و سازِ دل نہاں ہے
مرے بندے مری رحمت تو ہے عام — مگر اب لینے والا ہی کہاں ہے؟
مرا قرآں ہے نذرِ طاقِ نسیاں — حدیث و فقہ اک بارِ گراں ہے
تلاوت کی جگہ اخبار نے لی — بس اب ناول ہی تو وردِ زباں ہے
مساجد سے کہاں ہے اب تعلق — سنیما پر ہجومِ عاشقاں ہے
ثقافت نے نئی راہیں سجھائیں — کہ بھنگڑا ناچ اب قومی نشاں ہے
صلوٰۃ و صوم کا تو ذکر ہی کیا — تصور دین کا ہی بس گراں ہے
ہے مذہب آج تو ڈیموکریسی — مخالف لاکھ گو اس کا قرآں ہے
بظاہر نام تو اسلام کا ہے — ولیکن عشقِ امریکہ نہاں ہے
ہے تحریری دغا و مکر ایسا — کہ اس کے سامنے روئی چٹاں ہے
نہ صدیقؓ صداقت اب ہے باقی — نہ فاروقیؓ عدالت کا نشاں ہے
کہاں ہے اب حیا و شرمِ عثمانؓ — شجاعت حیدریؓ بھی اب کہاں ہے؟
بلالؓ و جعفرؓ و خالدؓ کا سا دِل — مسلمانوں کے سینوں میں کہاں ہے؟
کہاں میرے پیمبر کے صحابہؓ — کہاں یہ آج کل کا نوجواں ہے!
بزرگوں سے نہ مذہب سے ہے الفت
نہ شوقِ دیں و فکرِ آنجہاں ہے

سرگودھا میں تنظیم اسلامی کی دعوتی سرگرمیاں

رفقاء کی تربیت اور اجتماعی معمولات میں فعالیت پیدا کرنے اور احساس ذمہ داری کو بہتر سے بہترین کی طرف سفر جاری رکھنے کی غرض سے ذیلی حلقہ کی مرکزی سطح پر بھی کچھ پروگرام ترتیب دیئے جاتے ہیں۔ ماہ دسمبر 2004ء میں ایسے ہی پروگراموں کی چند جھلکیاں ترغیب و اصلاح کی غرض سے پیش ہیں۔

مرکزی سطح پر شروع کی گئی تفریغ اوقات مہم کے سلسلے میں محترم رحمت اللہ بٹر صاحب ناظم دعوت کو درخواست کی گئی کہ ایک سہ روزہ سرگودھا میں ترتیب دیا جائے تاکہ رفقاء کو دعوت کی ترغیب کے ساتھ ساتھ عملی پہلو کی بھی تربیت دی جا سکے۔

جمعۃ المبارک 3 دسمبر 2004ء کو ناظم دعوت محترم رحمت اللہ بٹر صاحب اپنے نائب محترم محمد اشرف وصی صاحب کو ساتھ لے کر سرگودھا تشریف لائے۔ تفصیلات طے کرنے کے بعد فوراً ہی خطاب جمعہ سے پروگرام کا آغاز کر دیا گیا۔ رفقاء اور احباب پہلے سے مرکز تنظیم اسلامی جامع القرآن میں منتظر بیٹھے تھے۔

تین دسمبر کو حضرت اشرف وصی نے جامع القرآن اور حضرت رحمت اللہ بٹر صاحب نے جامع مسجد الحمد ئی میں خطبہ جمعۃ المبارک سے پروگرام کا آغاز کر دیا۔ طے یہ ہوا کہ مقامی رفقاء تنظیم کو مذاکرہ کی صورت میں تنظیم اسلامی کی دعوت کے عملی پہلو کی تربیت کے لئے اشرف وصی صاحب مرکز تنظیم میں ہی تمام رفقاء کو سارا دن مصروف رکھیں اور جناب بٹر صاحب فیلڈ میں عوامی خطابات کی صورت میں اقامت دین کی اہمیت اور اس کے لئے تنظیم اسلامی کے قرآن و سیرت نبویؐ سے اخذ کردہ طریقہ کار سے عوام الناس کو روشناس کرائیں گے۔ اس مقصد کے لئے تین مساجد کا انتخاب کیا گیا۔

لہٰذا مسجد الحمد ئی' مسجد القاسم اور مسجد الفاروقیہ میں یہ کام بڑے اہتمام اور بڑے منجھے ہوئے آزمودہ طریقہ سے کیا گیا۔ جناب بٹر صاحب کی ان تھک شخصیت ہی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ کام نبھا سکتی تھی۔ لہٰذا انہوں نے اپنی حد تک پوری کوشش کی۔

ایک خصوصی پروگرام سرگودھا بار ایسوسی ایشن کے تعاون سے ترتیب دیا گیا ایک بڑے ہال میں وکلاء کے ایک جم غفیر نے یہ خطاب نہایت توجہ اور سنجیدگی سے سنا۔ بٹر صاحب کے انداز بیان اور موضوع کو واضح کرنے کے لئے آیات قرآنی خطیب کے استقبال کے لئے بے قرار نظر آتی تھیں۔ مذہب اور دین کا فرق اور اقامت دین کی فرضیت کو اس قدر واضح کر دیا کہ مقرر کی حد تک اس کا حق ادا کر دیا۔

جناب محمد اشرف وصی صاحب نے خصوصی خطابات کئے۔ جامع مسجد النور میں بعد نماز عشاء فرائض دینی کے جامع تصور پر بھرپور اظہار خیال ہوا۔ سامعین اچھوتے انداز سے مستفید ہوتے رہے۔ 5 دسمبر 2004ء کو رفیق تنظیم عزیزم مسعود سعید نے چک نمبر 136 جنوبی سلانوالی میں دو مساجد میں دعوت دین کے بیانات کا اہتمام کیا جسے اشرف وصی صاحب نے بخوبی سرانجام دیا۔

3' 4 اور 5 ستمبر صبح 8 بجے سے نماز ظہر کے کھانے کے وقفے کے بعد پھر رات گئے تک مذاکرہ کا اہتمام متواتر جاری رہا۔ اس پروگرام میں سرگودھا اور جوہر آباد کے رفقاء نے شمولیت کی اور احباب بھی شامل ہوئے اور نئے سامعین بھی حاضری دیتے رہے۔

19 دسمبر 2004ء کو ناظم تربیت ڈاکٹر رفیع الدین نے جوہر آباد کا خصوصی دورہ کیا جس میں رفقاء سے ذاتی رابطے' قرآن فہمی کے نئے حلقے شروع کرنے کی مشاورت خوشاب میں جاری کام کی نگرانی اور مزید بہتری کے لئے اقدام ان کے ہدف میں شامل تھے۔

تیسرے جمعۃ المبارک کو عبداللہ یار' عبدالسمیع' عبدالخالق اور راقم نے سلانوالی اور چک 131 جنوبی منگلا چک کا دعوتی دورہ کیا۔

مرکز تنظیم جامع القرآن میں بعد نماز مغرب ایک نوجوان عالم دین جناب عباس الٰہی ظہیر صاحب کو درس قرآن کی دعوت دی گئی۔ انہوں نے بڑے اچھے انداز سے قرآن فہمی کا حق ادا کرنے کے علاوہ حالات حاضرہ کا تجزیہ قرآن و سنت کی روشنی میں کیا اور دینی حلقوں خاص کر مدارس دینیہ کی قیادت پر بڑے دردمندانہ پیرائے میں اظہار خیال کیا۔ ان کی باتیں ایک دینی مدرسہ کے مہتمم اور جامع مسجد کے خطیب ہونے کے ناطے اثر انگیز تھیں۔ اختتام پر راقم نے فکر تنظیم اسلامی اور طریقہ کار کو واضح کرنے کی کوشش کی۔

تنظیم کے رفیق عزیزم عامر یعقوب کی تجویز پر ایک شب بسری کا اہتمام کیا گیا جس میں بانی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے خطاب ''انقلاب اور رسول انقلاب کا طریقہ کار'' کی قریب دو گھنٹے کی تقریر بذریعہ CDs رفقاء کو دکھانے کا پروگرام تھا اس کے ساتھ وقفے وقفے سے مذاکرہ بھی ہوتا رہا جس میں تمام رفقاء نے حصہ لیا تاکہ انقلاب کا نبوی منہاج عالمی انقلابات کے تناظر میں سمجھنے اور سوچنے کا موقع باہم پہنچایا جائے۔ پروگرام بہت کامیاب' مفید رہا۔ رفقاء کے اسرار پر جناب ناظم دعوت رحمت اللہ بٹر صاحب سے تربیت و دعوت بذریعہ مذاکرہ سہ روزہ پروگرام کے لئے درخواست کی گئی جس پر انہوں نے جناب محمد اشرف وصی صاحب ماہر مذاکرہ کو سرگودھا بھیج دیا 27 دسمبر 2004ء کو اشرف وصی صاحب سرگودھا تشریف لے آئے۔ 27' 28' 29 دسمبر 2004ء یہ پروگرام شب و روز جاری رہا۔ ایک ہی موضوع کو کئی انداز اور عوامی مشاہدات کے حوالوں سے دل و دماغ میں بٹھانے کی سعی کی گئی۔

دعوت کے وہ تمام موضوع جو تنظیم اسلامی کے دائرہ کار میں مجوزہ و مقبول ہیں ان پر سیر حاصل بات کی گئی۔

اس پروگرام میں رفقاء کے کل وقتی شامل ہونے کو لازمی قرار دیا گیا تھا جبکہ احباب اور مدعوئین خصوصی طور پر دینی مدرسوں کے طلباء یونیورسٹی کے طلباء اور پڑھے لکھے نوجوانوں کو دعوت دی گئی تھی کہ جزوی طور پر مخصوص موضوعات میں شامل ہو کر مستفید ہوں۔ جس کا ردعمل حوصلہ افزا رہا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے ان زعماء کو مزید لگن اور استقامت عطا فرمائے اور ہمیں ان کے اس احسان کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا کرے کہ ہم قریہ قریہ کوچے کوچے ''اقامت دین'' کی جدوجہد کی فرضیت کا پیغام پہنچا سکیں اور بیعت سمع و اطاعت کا عملی نمونہ بن کر سرخرو ہوں۔ آمین ثم آمین

(رپورٹ: ملک خدا بخش امیر (ذیلی حلقہ) تنظیم اسلامی سرگودھا)

ماہانہ تنظیمی و تربیتی اجتماع حلقہ بہاولنگر

2005ء کا پہلا اجتماع 2 جنوری بروز اتوار مسجد جامع القرآن گلشن حشمت ہارون آباد میں منعقد ہوا۔ 35 رفقاء و احباب کے علاوہ 12 خواتین نے اس پروگرام میں شرکت کی۔ پروگرام 10 بجے شروع ہوا۔ حافظ بشیر صاحب نے کلام پاک کی تلاوت فرمائی۔ جناب ذوالفقار علی صاحب نے تنظیم اسلامی کی قرارداد تاسیس رفقاء کے سامنے پڑھی اور اس کو واضح کیا۔ پھر درس قرآن ہوا جس کا موضوع اقامت دین کی جدوجہد کرنے والی جماعت کے ارکان کے اوصاف سورۃ المائدہ آیت 54 کی روشنی میں امیر حلقہ جناب محمد منیر احمد صاحب نے نہایت عمدہ انداز میں بیان کئے۔ پھر 15 منٹ کا وقفہ ہوا۔ وقفہ کے بعد ہر اسرہ کے نقیب نے اپنے اپنے علاقے میں دعوتی سرگرمیوں پر روشنی ڈالی۔ 25 روزہ کورس جھنگ میں شرکت کرنے والے رفیق جناب محمد اکرم صاحب نے اپنے تاثرات بیان کئے۔ اس کے بعد نئے شامل ہونے والے رفقاء کا تعارف کرایا گیا۔ آخر میں امیر حلقہ جناب محمد منیر احمد صاحب نے اختتامی خطاب فرمایا۔ تربیت گاہوں کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت کو واضح کیا۔ انفرادی سیرت و کردار کو دعوت کا محرک قرار دیا اور دیگر تنظیمی امور پر گفتگو کی۔ دعا پر پروگرام اپنے اختتام کو پہنچا۔ (رپورٹ: سجاد سرور' فاروق افضل)

ناظم حلقہ کا دورہ رکھ بلوچاں

ناظم حلقہ گوجرانوالہ ڈویژن راقم کی دعوت پر منڈی بہاؤالدین کے گاؤں رکھ بلوچاں تشریف لائے۔ 29 دسمبر بعد نماز عشاء شاہد رضا صاحب نے ''فرائض دینی کا جامع تصور'' کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ ناظم حلقہ نے سورۃ النساء کی آیات کے حوالے سے مسلمانوں کو ایمان حاصل کرنے کی دعوت اور پھر اس پر جم جانے کی تلقین کی۔ جس کا عملی پہلو اپنی زندگی کو اسلامی اصولوں پر گزارنا ہے۔ اگر مسلمان اپنے طرز عمل کو درست نہیں کرتا تو آہستہ آہستہ ایمان کمزور پڑتا

destiny of 1/3 billion people.

The lesson of history and solution is pretty simple and straight forward: The US has to withdraw. It has no option but to end all its direct and indirect occupations. It also has to end sponsoring other occupations. The rest of its allies have to end interference in the affairs of Muslims world. They have to leave Muslims alone.

Giving Muslims an opportunity to self-rule, without outside interference, is the answer. It is for Muslims to decide among themselves as to how they want to live their lives without US supported dictators, Kings, Sheikhs and a new breed of "democratic" puppets like Karzai.

What the US and its former colonialist allies can do is deny Muslims this opportunity for a certain period. What they can never do is stay in Muslim lands indefinitely, and buy and protect opportunists among Muslims to make 1.3 billion of them live by the wishes and will of a handful Islamophobes in Washington.

The more the US plans and acts to deny Muslims living by Islam, the more it sows the seeds for its inevitable demise. Many powers before the US considered such a reality no more than a joke. It is not so strange to find the US totally blind to what it can and what it can never do

---

ہے اور وہ منافقت کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ جیسا کہ آج کل ہماری دورخی زندگی ہے کہ ہم چند عبادات تک تو اللہ کا بندہ بننے کی کوشش کرتے ہیں مگر اجتماعی معاملات میں امریکہ یا کفر کے غلام بن جاتے ہیں۔ بے شک یہ ایک نفاق پر مبنی طرزِ عمل ہے۔

درس قرآن کے بعد ایک تربیتی پروگرام ہوا۔ احباب کو تین گروہوں میں تقسیم کر کے دعاؤں کا مذاکرہ ہوا۔ جس کو لوگوں نے بہت پسند کیا اس کے بعد چائے وغیرہ سے احباب کی تواضع کی گئی۔ اس پروگرام میں تقریباً 25 احباب تھے۔ اسی دوران جماعت اسلامی کے رکن محترم محمد خالد صاحب سے مختلف امور پر بات ہوتی رہی جس میں ملکی سیاست MMA کا طرزِ عمل اور خاص کر تنظیمی فکر سے آگاہ کیا گیا۔

30 دسمبر صبح فجر کی نماز کے بعد محترم محمد حسین صاحب نے مذہب اور دین کے فرق کو واضح کیا اور غلبہ دین کے طریقے پر مفصل گفتگو کی۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ باطل نظام کو اکھاڑنے کے لئے منظم اور مضبوط قوت درکار ہے جس میں ایمان کوٹ کوٹ کر بھر دیا گیا ہو۔ دعا پر یہ پروگرام ختم ہوا۔ (رپورٹ: رضا احمد مبتدی رفیق رکھ بلوچاں منڈی)

سہ روزہ پروگرام تنظیم اسلامی چشتیاں حلقہ بہاولنگر

انقلابی فکر کی دعوت کے بعد دوسرا مرحلہ رفقاء کی تربیت کا آتا ہے۔ جب تک تربیت نہ ہو مطلوبہ نتائج حاصل کرنا ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم کے اندر نبی اکرم ﷺ کا جو طریق انقلاب بیان ہوا ہے۔ اس کا مظہر تربیت ہی کو قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس مقصد کے تحت مرکز کی طرف سے بھی تربیت گاہیں منعقد ہوتی رہتی ہیں لیکن مقامی سطح پر بھی اس کا خاص اہتمام نہایت ضروری ہے۔ اس مقصد کے پیش نظر امیر حلقہ بہاولنگر جناب محمد منیر احمد صاحب نے حلقہ کے ہر سہ روزہ تنظیم کو ہر ماہ ایک سہ روزہ پروگرام منعقد کرنے کا پابند کیا ہے۔ جناب ذوالفقار علی صاحب کو اس پروگرام کا ناظم بنایا گیا ہے۔ جو سہ روزوں کا شیڈول بنائیں گے اور انہیں منعقد کرنے میں نقباء کی مدد کریں گے۔ اس سلسلے کا پہلا پروگرام تنظیم اسلامی چشتیاں کے زیر اہتمام مسجد علی المرتضیٰ چشتیاں میں منعقد ہوا جو کہ 25 دسمبر نماز عصر سے لے کر 27 دسمبر نماز ظہر تک جاری رہا۔ (رپورٹ: سجاد سرور)

قیامت کی نشانیاں

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کی کچھ نشانیاں یہ ہیں:

(1) جہل کا غلبہ ہوگا (اور لوگ عموماً نادانی کا مظاہرہ کریں گے)

(2) شراب بڑی کثرت سے پی جائے گی۔

(3) زنا کا کاروبار کھلے بندوں چلے گا (یہ وبا عام ہو جائے گی، بہت کم لوگ اس سے بچ سکیں گے)

(4) (دین کا) علم بہت تھوڑا ہو جائے گا (قرآن وسنت کے علماء آہستہ آہستہ دنیا سے اُٹھتے چلے جائیں گے، یہاں تک کہ لوگ ایسے جاہلوں سے دینی مسائل دریافت کریں گے جو خود گمراہ ہوں گے اور غلط فتوے دے کر خلقِ خدا کو بھی گمراہ کرتے رہیں گے)

(5) مرد تھوڑے ہوں گے اور عورتوں کی کثرت ہوگی، یہاں تک کہ پچاس عورتوں کا منتظم ایک مرد ہوگا۔

(رواہ بخاری)

(بقیہ: عید قرباں اور اسوہ ابراہیمی ؑ)

رسم کی ہے اور اکثر کے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر ایک قومی تہوار کی۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ ہر سال پندرہ لاکھ سے بھی زائد کلمہ گو حج کرتے ہیں اور بلا مبالغہ کروڑوں کی تعداد میں جانوروں کی قربانی دی جاتی ہے، لیکن وہ روحِ تقویٰ کہیں نظر نہیں آتی جس کی رسائی اللہ تک ہے۔ بقول علامہ اقبال مرحوم ؎

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے
وہ دل، وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے!

کاش کہ ہم جرأت کے ساتھ موجودہ صورتحال کا صحیح تجزیہ کر سکیں اور اصل روحِ قربانی کو اپنی شخصیتوں میں جذب کرنے پر کمر ہمت کس لیں، اور عید قربان پر جب اللہ کے لئے ایک بکرا یا دنبہ ذبح کریں تو ساتھ ہی عزم مصمم کر لیں کہ اپنا تن، من، دھن اس کی رضا پر قربان کر دیں گے۔

ڈاکٹر اسرار احمد

کے دروس وخطابات

کے

آڈیو کیسٹس اور CDs

دستیاب ہیں

الحفیظ: 83 شاہراہ قائداعظم لاہور

وفات

رفیق تنظیم اسلامی گلشن اقبال، کراچی محبوب موسیٰ صاحب کی دادی صابرہ وفات پا گئی ہیں۔ رفقاء واحباب اور قارئین ندائے خلافت سے مرحومہ کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

View Point

Abid Ullah Jan
(e-mail: abidjan@tanzeem.org)

What the US can never do

Being the lone super power, the US has astonishing abilities to do what many others cannot. No one can single handedly defeat the US. However, there are some limitations, going against which will unquestionably speed up its march towards its increasingly becoming inevitable doom.

Let us list what the US can do.

It can lie. Its Secretary of State can lie to the UNSC. Its president and all his establishment and allies from Tony Blair to Musharraf can lie to the whole world. It can "manufacture consent" through embedded journalists and analysts.

It can starve 1.8 million innocent people to death with the help of the United Nations-sanctioned genocide. It can bypass the UN if it is not willing to go from invisible to visible genocide. It can invade and occupy sovereign states, killing more than 100,000 people without any fear of accountability.

It can flatten towns after towns, like Fallujah, and make them inhabitable. It can establish more and more concentration camps and wipe out whole populations.

However, there is one little thing that the US cannot do. It can never stay in Muslim lands for ever.

This is what breaks its back bone because the question arises: For how long can it carry on the intensified barbarism that we have been witnessing for the past three years? Human rights abuse, death and destruction have become prerequisites for its stay.

On the part of the US, some embedded analyst might argue that the US doesn't intend to stay in occupied lands forever.

In response, the world has an argument and a question.

The argument is: who can trust these words when all that the US administration and its media could parade as solid grounds for invasion were nothing but lies.

The question is: Do these embedded analysts and Islamophobes hope that one day the US will succeed in putting one Karzai in power in each Muslim country, and people there would submit their will to the will of the US?

The New York Times and its war lords like Friedman would respond: "No way. We are doing all this for freedom and democracy. Not for imposing our will."

Regurgitation of these words, however, have lost its credibility. If there can ever be a demonstration of extreme wishful thinking, it is in these words that we hear from the "intellectual" terrorists on behalf of the US.

If there can ever be the most unsuccessful attempt of using benevolent intentions as fig leaf for barbarism it is the highlighted words in the op-ed pages of New York Times today (Dec 23, 2004). Its Chief war lard, Friedman, writes: "Iraq is a war between people who are trying to organize an election and the virulent nihilistic minority that wants to prevent it."

This is what the US cannot prove. This is where its lies start haunting it to its ultimate destination: the graveyard of empires. This is what makes its occupations and future of global domination the most vulnerable. This is what shows the US can never fool the world for ever. This is what shows the US cannot stay, where it was not supposed to be in the first place, for too long.

This takes us to the history of colonialism. Most of the Muslim lands were occupied in the name of teaching "little brown brother" some civility. Even when the colonialists had to withdraw, they never stopped interfering in Muslim countries in particular to keep those in power who could serve their former master better than others.

The legacy of interference continued till this day when the US once more decided to start imposing its will and way of life through the barrel of a gun.

Ignoring the straight forward lesson of former colonialist adventures — that you cannot stay for ever in someone else's home — the embedded war lords propose more troops for more killing and destruction. This has been a consistent demand.

The front page of the New York Times tries to speak on behalf of all Americans "Fighting is the only option, Americans say" (Kirk Johnson, Dec 22, 2004). The nihilist Friedman makes the world believe that the only problem in Iraq today is that a tiny minority doesn't want the planned elections, ignoring that those who want to rule for oil money would never put their lives at stake.

The so apparent arrogance of these war lords is the main tool for keeping the US leaders blind to reality. Friedman writes: "As the Johns Hopkins foreign policy expert Michael Mandelbaum so rightly pointed out to me, 'These so-called insurgents in Iraq are the real fascists, the real colonialists, the real imperialists of our age.' They are a tiny minority who want to rule Iraq by force and rip off its oil wealth for themselves. It's time we called them by their real names."

One war lord "rightly pointed out" to the other and in their little understanding it became a universal truth of high important. Is this what the world is expected to accept?

If so, this is the height of wishfulness. Let these war lords keep making the policy makers and planners in Washington believe that the "insurgents" are not those whose relatives have been starved to death over the last 14 years. These are not those who lost their relatives to "shock and awe" adventures. These are not those whose homes have been flattened by the liberators. These are not those whose relatives have been dragged on leash and abused to death in Abu Gharib.

Let the "intellectual" terrorists and real Islamophobic nihilists make the establishment in Washington believe to the contrary so that they would send more troops to fight more wars because there is a "minority" in Iraq that wants "oil money" and wants to "rule Iraq."

Let them deny that those who want money and power, do not strap bombs to their bodies in urgency to leave this world. Let them deny that the actually people for money and power are either Chalabi or Allawi or those mercenaries who Bush complained do not stand the heat and run away when the going gets tough.

It is simple: Those who run are for dollars. Those who stay and die are for something else.

What the US and its nihilists in power cannot do is fool the world. What they can do at best is to fool themselves with the false belief that they can control

Vol: 14 Regd. No. LRL -50 No. 2

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

View Point

Khalid Baig

All Profit, No Loss

At their most basic and visible level trade and business involve exchange of goods and services. But there is much more to business than moving goods and services in one direction and money in the other. The product, the packaging, the delivery system, and the advertising messages that accompany it, all of them carry statements about what is good, or acceptable, or desirable, and what is not. Through this much larger exchange --- at emotional and intellectual levels --- business can be a powerful agent of cultural change.

This role is increased manifold in the age of the media and professional marketing campaigns. In simpler times, the role of the seller was generally to satisfy demand arising out of genuine needs. Today, the role of the marketer is to create demand first, so he can then satisfy it. This is done in the only way it can be done; by replacing needs (which are limited) with wants (which can be unlimited). They sell fantasies and status symbols. They appeal to our basest desires.

In the world's most "developed" economies advertising messages hit the consumers from all directions, at all times of day and night. Their persistent message: Buy, buy, buy. Consume, consume, consume. Indulge your desires. This is consumerism --- a morbid outcome of materialism under capitalism. Its spread worldwide is part of what is called globalization.

Consumerism's creed: we live to consume. For every problem in the world, it has one solution. Buy something. Its victims try to fill the emptiness within them with the newest gadgets and try to congratulate themselves for living in such an era of progress. But as they accumulate more and more of the goods, the meaninglessness of all this increases even more. The hollowness deepens.

Further, behind the glitter of the slick handiwork of the marketer, one can see the ugly face of exploitation. Consider the recruitment of female charm for selling everything from car to toothpastes to zoo admissions. Never before in history were women demeaned and exploited on such a massive scale. Those who can make money from it have filled every square inch of available space with the picture of women in varying degrees of undress. The environment has been so saturated with this Cultural that like a person living in a sewer we no longer feel its stink.

What is saddening is the failure of Muslim societies to challenge to this onslaught. An equal or probably greater responsibility lies with leaders there. They could have rethought the purpose of advertising, marketing, packaging, and selling. They could have used their considerable muscle to launch a counter campaign to challenge the pop culture. They could have demonstrated the high ethical and moral teachings of Islam. Instead, they have been blindly following the tricks and techniques of the business enterprises from the "developed" world. The best of them have gone to the elite business schools and have concluded that marketing is all about manipulation. Their outlooks, goals, mindsets, and tools are the same as those of their masters.

The failure here is at two levels. First there is a failure to understand the role of business in today's society. That is why even big Muslim enterprises lake the vision of promoting their language, culture, and moral values. They are there just to make money. If their owners and leaders have some religious inclinations, they will spend some of that money on charity. But the idea that they need to incorporate Islamic teachings and moral values in everything from product conception and design to marketing communications and business.

Second, there is a failure to remember the responsibilities of a business under Islam. There are several ahadith that tell us the merits of a righteous businessman. According to one hadith the Prophet ﷺ said: "The honest and veracious businessman will be (in the Hereafter) with the prophets, the siddiqs (the Truthful), and martyrs." [Tirmidhi]. According to another hadith he was asked about the best means of earning a living. He replied: "Righteous trade and working with one's hands." [Musnad Ahmed].

Working with one's hands means earning one's own living and not through exploiting other people's labour or stealing from their wealth. To each one, what one earns through his or her own work!

The company of the prophets and martyrs is the highest rank one can imagine. How can it be that one attains such an exalted status in the Hereafter while spending his time making money? Because by bringing truth, honesty and God consciousness to one's business, one adds righteousness to society. Righteous trade is a comprehensive expression that encompasses piety in all aspects of running one's business.

Muslim traders who had imbibed these ideals who spread Islam in the world. Muslims did not establish missions to convert people. But as local people came in touch with Muslim traders, their piety and honest and truthful business dealings won them over. This happened in land after land in large parts of Asia and Africa.

To the people possessing wealth, like Qaroon (Korah in the Bible) by the Qur'an gives the message: "But seek, with the (wealth) which Allah has bestowed on you, the Home of the Hereafter. Do not forget your portion in this world: but do good, as Allah has been good to you, and seek not (occasions for) mischief in the land: for Allah loves not those who do mischief." [Al-Qasas, 28:77].

Thus one's wealth --- and wealth making efforts --- should be geared towards seeking the Home in the Hereafter and one must not use them to spread mischief on earth. Today we have forgotten the first commandment. What is worse,by blindly following of what we mistakenly think to be successful business practices, we are engaged in spreading mischief, although we may not even realize it.

There is a grave responsibility and a tremendous opportunity here. By broadening their vision Muslim businesses can be formidable force challenging the spread of consumerism, materialism and pop culture. Through carefully thought out business policies and practices, they can end exploitation --- of women, of consumers, of the poor. This is what the world needs. This is what they need themselves. For righteous trade is the only trade in which one can never lose.